سرودِ حیات

(مجموعۂ منظوماتِ مصنّف)

عبدالرحمٰن طارق

تعداد .. .. .. ایک ہزار

قیمت .. .. .. پانچ روپے

ناشر .. .. .. ایم نواز ملک

مطبع .. .. .. پنجاب پریس

نقشِ اوّل

۱۹۵۴ء

ملنے کا پتہ

نواز کمپنی لمیٹڈ

کشمیری بازار - لاہور

مقامِ شعر

وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے
یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگِ سرافیل

(اقبالؔ)

مقامِ شاعر

قوم گویا جسم ہے افراد ہیں اعضائے قوم
منزلِ ہستی کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفلِ نظمِ حکومت، چہرۂ زیبائے قوم
شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

فہرست مضامین

تعارف

(از مولانا عبدالمجید سالکؔ)

زمانۂ حاضر میں "ادبیاتِ اسلامیہ" کے تصوّر کا احیاء علّامہ اقبال کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اوائل میں اُن کی شاعری بھی دُوسرے معاصرین کی طرح عمومی و آفاقی تھی۔ لیکن جب وہ اِنگلستان سے واپسی پر بعض اسلامی ممالک کی سیر کر کے ہندوستان تشریف لائے تو اُن کا زاویۂ نگاہ بہت کچھ بدل چکا تھا۔ اُنہوں نے اپنے بعض احباب سے بیان کیا کہ دُنیائے اسلام کے موجودہ انحطاط کے دیگر عوامل و اسباب ہیں یہ سبب بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ شعرا و ادباء اسلام کی ادبی رُوح سے محروم ہو چکے ہیں۔ اُن کے کلام میں وہ رُوح افزائی اور حیات افروزی باقی نہیں رہی جو مُسلمانوں کے خیالات و عقائد اور جذبات و عواطف کو صحیح راستے پر برقرار رکھتی تھی۔ اور جب عقائد و عواطف اسلامی تقاضوں سے بیگانہ ہو گئے، تو مسلمانوں میں طبعاً وہ رُوحِ عمل

زمانہ حاضر ادبیات اسلامیہ

مفقود ہو گئی جس نے انہیں کبھی آدھی دُنیا کا شہریار بنا دیا تھا۔ اس لئے ہر مسلمان ادیب اور شاعر کا فرض ہے کہ وہ اپنی ودیعتوں کو ادبیات اسلامیہ کے فروغ کے لئے وقف کر دے۔ چنانچہ اُس دن سے علاّمہ اقبال کی شاعری جمود آمیز تصوّف، نیشنلزم، اور وقت کے رواجی موضوعات سے یکسر خالی ہو گئی، اور اُنہوں نے اپنے تمام کمالات کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

بعد ازآں اُن کے علم و فضل، اُن کی عام محبوبیت و مقبولیت اور دُنیائے اسلام کی مُصیبتوں اور تحریکوں نے دُنیائے ادب میں اُن کے صدہا مقلّدین پیدا کر دیئے۔ اور ہندوستان بھر کے مسلمان ادباء و شعرا کی تخلیقات کا رنگ یکسر بدل گیا۔ آج اس برّعظیم کے مسلمانوں میں جو قومی شعور نظر آ رہا ہے وہ بلاشُبہ علامہ اقبال اور اُن کے مقلدین کی تخلیقات کا شرمندۂ احسان ہے، اور اس حقیقت کو ہر دائرے میں تسلیم کیا جا رہا ہے کہ پاکستان کے قیام میں علامہ اقبال کی تعلیمات کا بہت بڑا دخل ہے، جنہوں نے جذباتِ اسلام اور ادبیات اسلامی کے ذریعے سے پاکستان کے لئے ایسی سیرحاصل زمین تیار کر دی جس میں صرف تخم ریزی کی دیر تھی کہ اُس کی کونپلیں پھُوٹنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کا تناور درخت ایشیا میں لہلہانے لگا۔

میرے دوست حضرتِ طارق علامہ اقبال کے اُن عقیدت مندوں میں سے ہیں جنہوں نے حقیقتاً اپنی زندگیاں علامہ اقبال کے پیغام کی نشر و تبلیغ کے لیے وقف کر رکھی ہیں۔ طارق صاحب نے متعدد ضخیم تالیفات کے ذریعے سے کلامِ اقبال کے اکثر پہلوؤں کو روشن کیا ہے۔ اور عام پڑھے لکھے انسانوں کو علامہ کے ادب و شعر اور اُن کی تعلیمات پر غور کرنے کا موقع بہم پہنچایا ہے۔ وہ سرتا پا تعلیماتِ اقبال کے نشے میں چُور ہیں اور چاہتے ہیں کہ دُوسروں کو بھی اُس نشے میں سرشار کر دیں۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایک خوش ذوق تعلیم یافتہ انسان علامہ اقبال کے کلام سے اس قدر شغفِ موفور بھی رکھے اور پھر شعر گوئی کی استعداد سے محروم رہے۔ چنانچہ طارق صاحب خود بھی شعر کہنے لگے اور یہ مجموعہ اس پہلو میں اُن کی ذہنی سرگرمیوں کا ایک زندہ و پائندہ ثبوت ہے۔ نثر نگاری کی بے پایاں مصروفیات کے باوجود مختلف اصنافِ نظم میں بھی ایک ایسا متنوع، بصیرت افروز اور شگفتہ و شاداب مجموعہ پیدا کر دکھانا خامۂ طارق کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ اربابِ فہم و بصیرت کے نزدیک یہ حقیقت بالاتفاق تسلیم کی گئی ہے کہ "الشّعراء تلامیذ الرحمٰن" یعنی "شعرائے ربّانی معنوی طور پر اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہوا کرتے ہیں۔" بنا بریں طارق صاحب نے چونکہ قسامِ ازل سے شعر گوئی کے لئے ایک فطری اور وہبی صلاحیت

پائی ہے، لہٰذا یقین ہے کہ اُن کے آئندہ مجموعے زیرِ نظر مجموعہ سے بھی کہیں زیادہ پختگی سخن اور کمالاتِ فن کے حامل ہوں گے ۔

طارق صاحب کی رباعیات، غزلیات اور دیگر منظومات میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُن میں از ابتدا تا انتہا علّامہ اقبال کی تعلیمات اور اُن کے لہجے کا اثر جاری و ساری ہے ۔ شارعِ اسلام، دینِ اسلام، فلسفۂ اسلام، سیاسیاتِ اسلام سے اُنہیں والہانہ عشق ہے اور اس عشق کی لہریں اُن کے کلام میں مسلسل و متواتر نظر آ رہی ہیں ۔ وہ سر تا پا ایک اسلامی شاعر ہیں ۔ اور چونکہ اُن کا کلام بے ضرورت لسّانی و لفّاظی سے خالی ہے اور سادگی و سلاست کا مرقّع ہے، اس لئے عام پڑھنے والوں کے لئے بھی اس میں پند و موعظت کے وہ زندگی بخش درس موجود ہیں، جو براہ راست قلوب پر اثر انداز ہوں گے ۔ علّامہ اقبالؔ کے فارسی و اُردو کلام کو سمجھنے اور اُن کے معانی و مطالب سے بہرہ اندوز اور متاثر ہونے کے لئے بہرحال ایک خاص درجے کے علم کی ضرورت ہے ۔ عوام اور کم خواندہ اشخاص اُن کے کلام سے براہِ راست مستفید نہیں ہو سکتے ۔ لیکن طارقؔ صاحب نے عام فہم انداز میں علّامہ کے مطالب کو نظم کر کے اُن کے افادے کے دائرے کو وسیع تر کر دیا ہے، اور میرے نزدیک علّامہ کے تمام

نیازمندوں اور مقلدوں کا فرض ہے کہ اُن کی تعلیمات کو عام کرنے کی غرض سے سلاست و سادگی اختیار کریں، تاکہ ہمارا پڑھا لکھا طبقہ جس نشے سے سرشار ہو رہا ہے۔ وہ نشہ عام ہو جائے اور قوم کے ہر فرد کو اسلام اور اُس کے ادبیات سے متاثر ہونے کی توفیق میسّر ہو۔

طارقؔ صاحب نہ صرف اپنی عام شاعری میں اقبال کے مقلد اور پیرو ہیں، بلکہ اُنہوں نے اقبال کی بعض نظموں کے ترجمے بھی منظوم کئے ہیں۔ اور بعض نظموں پر تضمین بھی کی ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے علاّمہ اقبالؔ کا نُقطۂ نگاہ اور اُن کی تعلیمات عوام تک پہنچ جائیں۔ میرے نزدیک یہ بہت بڑی خدمت ہے اور طارقؔ صاحب مستحق مبارک باد ہیں کہ وہ اس خدمت کو بوجہِ احسن انجام دے رہے ہیں۔

ان چند الفاظ کے ساتھ میں طارقؔ صاحب کے کلام کو اربابِ ذوق اور عام پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں اور متوقّع ہوں کہ طارقؔ صاحب بہت جلد اپنے آئندہ مجموعے بھی مرتب فرما کر شائع کر دیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حمد

ہوں اگر محرومِ طاعت اب بھی ہم، صد حیف ہے
پتّے پتّے سے عیاں ہے تیری وحدت کا پیام
مومنوں ہی سے نہیں ہیں خاص تیری نعمتیں
بلکہ ہے کفّار پر بھی عام تیرا فیضِ عام
چل رہا تیرے اشارے سے ہے نظمِ کائنات
مہر و مہ تجھ کو ہی سجدہ کر رہے ہیں صبح و شام

تیرے ہی قانون کے پابند ہیں کہسار سب
اور ہواؤں کو ہے تیرے حکم سے حاصل خرام
بھیج کر قرآں کا دستورِ حیاتِ جاوداں
ملتِ بیضا کو بخشی تُو نے اِک رُوحِ دوام
گو سمندر ہو سیاہی اور شجر سب ہوں قلم
پھر بھی تیری حمد ہم سے ہو نہیں سکتی تمام

سلام

سلام اُس پہ کہ جس کے نُور سے سب دل فروزاں ہیں
سلام اُس پہ کہ جس کے فیض سے ہم بھی مسلماں ہیں

سلام اُس پر کہ اخلاقِ خداوندی کا حامل تھا
سلام اُس پر کہ اِک شمشیرِ عُریاں بہرِ باطل تھا
سلام اُس پر کہ صادق تھا مکرّم تھا معظّم تھا
سلام اُس پر کہ جو معراج میں خالق کا محرم تھا
سلام اُس پر کہ جس نے "فقرُہٗ فخری" کی سند پائی
سلام اُس پر دلِ مُردہ میں جس سے زندگی آئی
سلام اُس پر کہ جس نے ہر کس و ناکس پہ شفقت کی
سلام اُس پر کہ جس نے اپنے دُشمن سے محبّت کی
سلام اُس پر کہ جس کا ہاتھ تھا خود چشمۂ کوثر
سلام اُس پر کہ جس کے دم سے کنکر ہو گئے گوہر
سلام اُس پر جو ہے ہر دو جہاں میں باعثِ رحمت ﷺ
سلام اُس پر کہ جس کے نام سے ٹلتی ہے ہر آفت

سلام اُس پر کہ جس نے چاند کے بھی کر دیئے ٹکڑے
سلام اُس پر "رمیٰ" سے جس نے لشکر کر دیئے اندھے
سلام اُس پر جو فاقوں میں بھی غازی تھا مجاہد تھا
سلام اُس پر جسے ڈر تھا فقط معبودِ واحد کا
سلام اُس پر کہ بیعت جس کی مولا ہی کی بیعت تھی
سلام اُس پر محبّت جس کی خالق کی محبّت تھی
سلام اُس پر کہ جس نے جُملہ نبیوں کی امامت کی
سلام اُس پر کہ ہر سرکش نے آخر جس کی طاعت کی
سلام اُس پر کہ کُل دُنیا پہ اک ہی جست میں چھایا
سلام اُس پر گرے قدموں میں جس کے قیصر و کسریٰ
سلام اُس پر جو کملی میں شہنشاہِ دو عالم تھا
سلام اُس پر کہ جس کو روز و شب اُمّت ہی کا غم تھا

سلام اُس پہ یتیمی میں بھی دل جس کا توانا تھا
سلام اُس پہ جسے بس ذاتِ حق ہی پہ بھروسا تھا
سلام اُس پہ خدا جس کا فرشتوں میں بھی ذاکر ہے
سلام اُس پہ کہ جس کے لطف کا ہر ذرّہ شاکر ہے
سلام اُس پہ جو بیواؤں یتیموں کا سہارا تھا
سلام اُس پہ جو ناداروں غریبوں کا پیارا تھا
سلام اُس صاحبِ لولاکؐ فخرِ جن و انساں پہ
سلام اُس قبلۂ ایمان و جانِ حکمِ قرآں پہ
سلام اُس پہ جسے مقصودِ حرفِ کُن فکاں کہئے
سلام اُس پہ جسے لوح و قلم کا رازداں کہئے

پیغامِ رسولؐ

انحطاطِ قوم پر اِک رات تھا میں پُر ملال
قلب کو خُوں کر رہا تھا مُلک و مِلّت کا زوال
اس ہجومِ غم میں آخر نیند مجھ کو آ گئی
رُوح پر نورِ ابد کی اِک تجلّی چھا گئی!
دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیغمبرِ آخر زماں
دامنِ شفقت میں جس کے کُل جہاں نے لی اماں

زندگی ہے جس کے دم سے نبضِ موجودات میں
رحمتِ حق جلوہ گر ہے جس کی ہر ہر بات میں
یوں ہوئے گوہر فشاں میری تسلّی کے لیئے
یا عطا اکسیر کی امراضِ ہستی کے لیئے
اے کہ تیری رُوح دردِ قوم سے بیتاب ہے
دِل ہے پہلو میں ترے یا مضطرب سیماب ہے
زینتِ فردوس تیرے اشکِ عُنّابی سے ہے
اور فرشتوں میں بھی ہلچل تیری بیتابی سے ہے
اُمّتِ مرحوم کو جا کر مرا پیغام دے
ساقیِ روزِ جزا کا ایک تازہ جام دے
اے کہ حق نے تجھ کو بخشی عظمتِ "خیرالاُمم"
شاہِ عالم ہو کے کیوں چھایا ہے تجھ پہ رنج و غم

"مومن قانت" کہا تھا تجھ کو ابراہیمؑ نے
دی امامت اُمتوں کی شیوۂ تسلیم نے
اے مسلماں! شانِ حق مجبور رہ سکتی نہیں
تیری قاہر طاقتیں مقہور رہ سکتی نہیں
تُو صداقت کی امانت کیلئے آزاد ہے
تیری ہستی کے سہارے یہ جہاں آباد ہے
جسمِ امکاں میں تری رُوحِ رواں سے گُونج ہے
رُوم و شام و مصر میں تیری اذاں سے گُونج ہے
تیری آزادی مکاں کی قید سے بیزار تھی!
قوّتِ عزم و عمل سرمایۂ احرار تھی!
ضرب سے تیری ہوئی تقدیرِ عالم بے حجاب
ہر دلِ مُردہ کو تیرے سوز نے بخشا شباب

اندلس تیری قدم بوسی کو پھر بے تاب ہے
کوہِ طارقؓ کو لوائے غیرِ زہر ناب ہے!
بصرہ و بغداد ہیں غیرت کو تیری تک رہے
شر کو دُنیا سے فنا کر شورشِ تکبیر سے
بیتِ اقدس یادِ ایوبیؒ میں پھر غمناک ہے
پاک گھر اللہ کا پھر کُفر سے ناپاک ہے
پھر ترے خوں کی پیاسی ہو گئی ریگِ حجاز
سایۂ تیغ و سناں میں کر ادا اپنی نماز
تیری غفلت سے فسانہ بن گئے بدر و حُنینؐ
اُٹھ، دکھا دُنیا کو پھر اقدامِ بے باکِ حسینؓ
کُفر کے جن مرکزوں پر تجھ سے طاری تھا ہراس
ایک مُدت سے ترے دیدار کو ہیں وہ اُداس

سومناتِ ہند میں بُت سرکشی کرنے لگے
برہمن اُن کو سجا کر طاق پر دھرنے لگے
کاٹ دے اک آن میں شرکِ جلی[1] کے دام کو
زندہ کر دے پھر جہاں میں غزنوی[2] کے نام کو
تُو اگر ایمان کا پیدا کرے سوزِ دروُں
ہیں مہ و پروین بھی تیرے لئے صیدِ زبُوں
چشمِ مومن پر ہویدا ہیں مکاں کچھ اور بھی
دعوتِ تحقیق دیتے ہیں جہاں کچھ اور بھی
ضربتِ محکم سے اُن کو قید کر تسخیر کر
ڈھا کے یہ کہنہ سرا دُنیا نئی تعمیر کر
پُختہ کر لے تُو اگر پھر قلب میں ذوقِ یقیں
ہر دو عالم کی امارت ہے ترے زیرِ نگیں

آنکھ تیری نشۂ تقدیر سے مخمور ہے
پھر عجب کیا شیر بھی گیدڑ سے گر مجبور ہے
آئے جب میدان میں مسلم تو ٹل سکتا نہیں
اہرمن بھی فیصلہ اس کا بدل سکتا نہیں
سخت کوشی سے تری ہنگامۂ ایام ہے
عرشِ اعظم کی جلا تیرا ہی روشن نام ہے
نبضِ ہستی میں ہے جنبش تیرے خوں سے اس طرح
چاند کی کرنوں سے ہو قلزم میں ہیجاں جس طرح
اخترِ سیمائے عالم کی چمک تیرا وجود
تجھ کو "نائبؔ" کہہ چکا قرآن میں ربِّ ودود
دہر کی مینا میں تو لرزاں بھی ہے رقصاں بھی ہے
اور مچل جائے تو اک بڑھتا ہوا طوفاں بھی ہے

خرمنِ باطل جلا دے برقِ سوزاں کی طرح
قصرِ ہر فرعون بہا دے موجِ طوفاں کی طرح
مومنوں میں رحمتِ رحمٰن کا مظہر ہے تو
لشکرِ کفّار میں ہنگامۂ محشر ہے تُو
کوثر و تسنیم کیا ہے؟ تیرا احساسِ جمال!
دوزخ و تعذیب کیا ہے؟ تیری تصویرِ جلال!
عشقِ حق سے رُوح بھر دے جذبۂ ایمان میں
زلزلے کر دے بپا ہر کُفر کے ایوان میں
قسمتِ اقوامِ عالم کا علم بردار تُو
اور حریمِ ذات میں بھی محرمِ اسرار تُو
گر نہ ہوتی تیری فطرت کی ضیا پیشِ نظر
گریۂ حسرت بہاتی چشمِ آدم کس قدر!

کیوں رُلاتا ہے تجھے اب عہدِ ماضی کا سماں
فطرتِ صالح کی مخفی قوتوں کو کر عیاں
فتحِ مومن ہر جگہ قرآں میں موعود ہے
تیری عزّت کا محافظ آج بھی موجود ہے
دم بدم ہے نورِ قرآں دل پہ تیرے جلوہ ریز
اے تنِ آساں! سوزِ حق سے کر عیاں جوشِ ستیز!
جلوۂ امروز میں خدا کی شوکت دیکھ لے
پرچمِ اسلام کی دیرینہ عظمت دیکھ لے
فرقہ بندی سے ہوا تاراج گو تیرا وطن
اور خزاں کے ہاتھ سے زائل ہوا حُسنِ چمن
پھر بہارِ تازہ گلشن میں بپا ہونے کو ہے
زندگی ہر پھول میں جلوہ نما ہونے کو ہے

وقت آتا ہے کہ پھر اُجڑا چمن آباد ہو
قمری و طاؤس اپنی لے میں پھر آزاد ہو
خشک پتے پھر چمک اُٹھیں گے ذوقِ دید سے
اور دل بیتاب ہو جائیں گے شوقِ دید سے
ابرِ رحمت جوش میں قطرہ فشاں ہو جائیگا
جس سے ہر غنچہ ترا انجم نشاں ہو جائیگا
دیکھ کر ملّت کا یہ رنگِ بہارِ جاوداں
سب عدوِ اسلام کے حسرت سے ہونگے نوحہ خواں
اے مسلماں امت سمجھ ملّت پہ طاری ہے زوال
اُمّتِ خیرالبشرؐ کا مٹ چکا پہلا جلال
یہ فریبِ خوشنما ہے تیری عقلِ خام کا
وہمِ باطل نے کیا ہے محو جذبہ کام کا

رُوحِ موجودات کو اِس جا مٹا سکتا ہے کون
صدر کو ہستی کی محفل سے اُٹھا سکتا ہے کون
مرگ تیری ہوگی دُنیا ہی کی مرگِ ناگہاں
آتشِ حسرت میں جل بھُن جائے گا سارا جہاں
کوہ سب ذرّوں میں یکسر منتقل ہو جائیں گے
آفرینش کے عناصر مضمحل ہو جائیں گے
داورِ محشر کہے گا اب اُلٹ دو یہ نظام
قصّۂ تخلیقِ عالم ہو چکا یکسر تمام
اب جہانِ پیر میں وہ فرحت و زینت نہیں
رُوحِ مومن مٹ چکی، دُنیا کی کچھ حاجت نہیں
اے مسلماں! تیری غفلت سے حرم رُسوا ہُوا
سازشِ کفّار سے فتنہ نیا برپا ہُوا

ہاتھ میں حُسنِ عمل کی تیغ بے زنہار لے
قیصر و کسریٰ کو اُٹھ کر پھر شکستِ فاش دے
خُوں ترا اسلاف کی غیرت سے بیگانہ نہیں
جو چھلکنے سے تہی ہو، تو وہ پیمانہ نہیں
دیکھنے میں ہستی ناچیز ہے بے شک ہلال
ماہِ کامل کے عناصر اُس میں ہیں لیکن بحال
ہو جہاں لعلِ یمن ؏ اپنا اثر کھوتا نہیں
خرقۂ درویش میں بھی منفعل ہوتا نہیں
آسماں سے گرچہ سُورج کی ضیا گُل پیز ہے
خاک پر گر کر بھی لیکن نُور سے لبریز ہے
سنگ کو بھی سوز سے تابندہ کرتی ہے کہیں
کوئلوں میں بھی گہر کا رنگ بھرتی ہے کہیں

قطرۂ شبنم کو موتی کی جِلا دیتی ہے یہ
جن کو ظُلمت گھیر لے ، اُن کو ضیا دیتی ہے یہ

جس گھڑی بادل زمیں پر وقفِ باراں ہو گئے
اُن کے سب قطرے سمٹ کر ایک طوفاں ہو گئے

کف بلب طوفان لیکن دردِ مہجوری سے ہے
بحر سے یہ منفصل بھی ایک مجبوری سے ہے

رازِ اطمینان اس کا ہے سمندر سے وصال
جُز بلا جب کُل سے ، ہٹ جائیگا ہر رنج و ملال

نے نیستاں سے جدا ہونے پہ ہے نغمہ سرا
نالۂ پیہم ہے اُس کے سینے سے ہر دم بپا

فطرتِ مومن بھی ہے نُورِ محمدؐ کی امیں
اس کے فیضِ طبع کا منبع ہے یثرب کی زمیں

مرکزِ توحید ہے یہ، مطلعِ انوار ہے
تُو اگر پرکار ہے، یہ مرکزِ پرکار ہے
جب تلک مُسلم رہے گا اپنے مرکز سے جُدا
رُوح بھی تن میں کرے گی ہر گھڑی آہ و بُکا
سرورِ کونین کے اسوہ پہ کر پہلے عمل
قسمتِ عالم کو پھر خُلقِ محمدؐ سے بدل
عرش میں لرزہ اُٹھا دے نعرۂ تکبیر سے
کُفر کے مرکز اُڑا دے قوّتِ تسخیر سے
زورِ حیدرؓ آج بھی دل میں ترے موجود ہے
ابروِ خمدار میں قہرِ خدا مشہود ہے
دشمنِ اسلام پر اس قہر کی بجلی گرا
پاسبانِ حق! وجودِ شر کو دُنیا سے مٹا!

وقت تیری شان و شوکت کو مٹا سکتا نہیں
شعلۂ نمرود بھی تجھ کو جلا سکتا نہیں
آگ بھی ذوقِ یقیں سے باغِ جنت بن گئی
خوئے حدت چھوڑ کر مولا کی رحمت بن گئی
اے کہ تیری چشم پر روشن مقاماتِ کلیمؑ
وادئ ایمن میں ہو اک بار پھر جا کر مقیم
ظلمتوں کو محو کر ایمان کی قندیل سے
مردہ روحوں کو جگا دے صورِ اسرافیل سے
سامری کے سحر کو ضربِ کلیمی سے مٹا
لشکرِ فرعون کو پیغامِ رحمانی سنا
گر ترے اسرار کا پھر بھی کوئی حامل نہ ہو
حکمِ حق، حکمِ پیمبرؐ سن کے بھی عامل نہ ہو

پھونک ڈے دُنیا، اُلٹ دے ضربِ محکم سے زمیں
ایسے انسانوں کو حقِ زندگی حاصل نہیں

مومنِ خوددار کا شیوہ رہا تلقینِ ناز
آہ! کیونکر ہو گیا تُو آج مجبورِ نیاز؟

تشنہ لب مرجا مگر مت کر طلب اک قطرہ آب
عین دریا میں اُلٹ ساغر کو مانندِ حُباب

تُو سخا سے اپنی کر سکتا ہے دُنیا کو نہال
پھر درِ اغیار پر کرتا ہے کیوں جا کر سوال؟

فاقہ کش ہو کر بھی ہم نے کچھ نہ دُنیا سے لیا
ہم کو رازق نے دیا اور ہم نے قوموں کو دیا

ہے یہی طرزِ عمل اَلْفَقْرُ فَخْرِی کی دلیل
پیروی سے اس کی مومن ہو نہیں سکتا ذلیل

تیری فطرت ترجمانِ خالقِ قہّار ہے
جس کا تکیہ اُس پہ ہو، تقدیر کا مختار ہے
تیرا مرنا اور جینا ہو نجابت کے لئے
صلح کر یا جنگ کر، لیکن شرافت کے لئے
علم سے جیسے عیاں ہے تیری دانش کا کمال
یوں ہی قوّت سے عمل کی قوم کو کر لازوال
جب فقط قرآن تیرا راہبر ہو جائیگا
کفر کا ایوان خود زیر و زبر ہو جائے گا

مقامِ آزادی

(تحصیل پاکستان کی تقریب پر تحریر کی گئی)

وہ چمکا چرخ پر ماہِ تمامِ آزادی
ہُوا ستاروں کو حاصل خرامِ آزادی
جو کل تلک تھے اسیرِ جفا و جورِ زماں
ہے آج ہاتھ میں اُن کے زمامِ آزادی
کبُوتروں کے ہے سینے میں قلب شاہیں کا
کہ حق نے ان کو دکھایا مقامِ آزادی

غلامِ نفس، ہوس کار، کُفر کے بندے
کبھی مٹا نہ سکیں گے نظامِ آزادی
خزاں کو حضرتِ اقبال نے کیا ہے بہار
ہے اُن سے آج معطر مشامِ آزادی
جناح ساقیِ احرارِ ہند ہے آخر
اُسی کے تاک نے بخشا ہے جامِ آزادی
ہجومِ کُفر ہیں اسبابِ خوف دِل سے مٹا
کہ تجھ سے وعدۂ حق ہے دوامِ آزادی
فقط نگاہِ مجاہد کمند ہے اُس کی
بلند ہے مہ و پروین سے بامِ آزادی

جہاد

عالم پہ حکمراں ہے مسلماں جہاد سے
زندہ ہے اُس کے قلب میں ایماں جہاد سے

اسلام کو شہید کے خوں سے ملی بقا
ہوتا فنا ہے لشکرِ شیطاں جہاد سے

اُٹھ غازیانِ دین کی گُل پاشیاں تو دیکھ
صحرا ہوئے ہیں رشکِ گلستاں جہاد سے

غالب ہے ہر بلا پہ مجاہد کی ضربِ تیز
مشکل ہر ایک ہوتی ہے آساں جہاد سے
عزّت سے بڑھ کے کونسی شے ہے جہان میں
عزّت کا پاسبان ہے انساں جہاد سے
خالق کی جو صفات مسلماں میں ہیں نہاں
ہوتی ہیں وہ صفات نمایاں جہاد سے
ہے درسِ اتّحاد و اخوّت ترے لئے
شیرازہ کُفر کا ہے پریشاں جہاد سے
مستور جب کہ حق تھا اندھیروں میں کُفر کے
حق کو کیا نبیؐ نے فروزاں جہاد سے
اسلام ابتدا میں تھا کہ شمعِ بے ضیا
اب بن چکا ہے مہرِ درخشاں جہاد سے

رازِ حیات و قوتِ ملت جہاد ہے
دُنیا میں سرفراز ہے قرآں جہاد سے

معیارِ عزّت

کوئی کہتا ہے بشر پاتا ہے عزت "مال" سے
ہیں غلامِ بے درم سب خواجۂ زردار کے
ہے کسی کے زعم میں "منصب" فقط عزت کا راز
عہدۂ بالا سے ہے انساں کو حاصل امتیاز
قولِ دیگر ہے کہ ہے عزت "حکومت" میں نہاں
حاکموں ہی کو خدا دیتا ہے عظمت کا نشاں

کوئی کہتا ہے کہ عزّت کا ذریعہ ہے "جمال"
حُسن کی تکمیل سے ہے رُوحِ عزّت کا کمال
کوئی سمجھا ہے کہ وجہِ رعب ہے "عمدہ لباس"
حُسنِ پوشش پر ہے تہذیب و وجاہت کی اساس
ہیں فقط رسمی تصوّر سب یہ عِزّ و جاہ کے
جو تصنّع پر ہیں مبنی، یا غرض کے واسطے
رازِ عزّت پر فقط قولِ خدا ہے مُستند
عالِمِ کُل ہے، اُسے معلوم ہے سب نیک و بد
چشمِ خالق میں ہے باعزّت فقط "پرہیزگار"
نے امیر و نے وزیر و نے حسینِ گُلعذار
حُسن و دولت جاہ و منصب گو نہ رکھتا تھا بلالؓ
سب سے بڑھ کر اُس کو حاصل تھا مگر عِزّ و جلال

جب کہ تقویٰ سے مزین کی تھی اُس نے زندگی
حضرتِ فاروقؓ بھی کہتے تھے اُس کو "سیدیؒ"

ہر دو عالم میں اگر عزت تمہیں مطلوب ہو
جذبۂ اخلاص سے اللہ کی طاعت کرو

اب بنا لو سر بسر قرآں کو دستورِ حیات
ہے اسی کی پیروی میں فرد و ملت کا ثبات

خُلقِ محمدیؐ

سُوئے مسجد جس بھی رستے سے نبیؐ کا تھا گزر
تھا اُسی رستے میں واقع اِک یہودن کا بھی گھر

چھت پہ اپنی منتظر رہتی تھی وہ صبح و مسا
جب نبیؐ آتا تو کوڑا اس پہ دیتی تھی گرا
پر نبیؐ کو کچھ نہ تھا اس فعل سے اس کے ملال
وہ سدا رہتا تھا محوِ ذکرِ ربِ ذو الجلال
ایک دن لیکن یہودن غیر حاضر چھت سے تھی
اور گرا نیچے نہ پہلے سا خس و خاشاک بھی
اُس کے ہمسایہ سے پوچھا تب رسول اللہ نے
غیر حاضر کیوں یہودن ہے فرازِ خانہ سے؟
وہ لگا کہنے کہ وہ دو روز سے بیمار ہے
ہے بخار اتنا کہ چلنے سے بھی اب لاچار ہے
سُن کے یہ فوراً گئے اُس کی عیادت کو نبیؐ
دیکھ کر خُلقِ پیمبر وہ بہت نادم ہوئی۔

تب پیمبر نے کہا مجھ کو کوئی خدمت بتا

خدمتِ بیمار سے مسرور ہوتا ہے خدا

سُن کے یہ الفاظِ رحمت وہ مسلماں ہو گئی

اور گریاں ہو کے قدموں پر نبیؐ کے گر پڑی

خُدا کہاں ہے؟

زمیں پہ تیری طلب میں رہا ہیں دیوانہ

ترے لئے کبھی چھانے ہیں آسماں میں نے

مقامِ خلوت و جلوت میں نور و ظُلمت میں

کیا نظر کے تجسّس کو بے کراں میں نے

گلی گلی میں تری جستجو نے دوڑایا
بنگاہِ غور سے دیکھے ہیں گلستاں میں نے
کبھی حرم تو کبھی دیر تھا مرا مسکن
ہر اک جگہ کیا احساس کو دواں میں نے
کبھی برہمن و مُلّا کی چاپلوسی کی
کہ اُن کو سمجھا تھا تیرا ہی رازداں میں نے
کبھی ستارہ و شمس و قمر کی ہستی میں
کیا تصوّر و جذبات کو رواں میں نے
شعورِ عشق کی مستی میں تجھ کو رہ رہ کر
جمالِ خلق میں جانا تھا گلفشاں میں نے
شباب و شوق کی اُٹھتی ہوئی روانی میں
بنایا ہر بتِ کافر کو آستاں میں نے

ندی کے راگ سے بلبل کے آہ وشیون سے
کیا ہے اشک کی موجوں کو نوحہ خواں میں نے
مگر ثمر نہ ملا مجھ کو اس کشاکش کا
فضول شوق میں چھانا ہے اک جہاں میں نے
نگاہِ عشق سے دیکھا جو تھک کے آخر کار
دلِ شکستہ میں پایا تجھے نہاں میں نے

وراثتِ ارضی

اندلس پر غازیانِ دیں نے جب حملہ کیا
کثرتِ کفار سے خائف ہوا دل بعض کا

طارقِ جانباز نے دیکھا جو اُن کا اضطراب
ہو گیا جذباتِ ایمانی میں پیدا انقلاب

رات کو اُٹھ کر سفینے سب بُڑے اُس نے جلا
صُبح جاگے وہ تو دیکھا ایک تودہ راکھ کا

فعل سے طارق کے پیدا اُن میں تھا غیظ و غضب
سب کے سب آئے کہ پوچھیں اِس تباہی کا سبب

بولے وہ " ترکِ سبب تو دین میں جائز نہیں
کشتیاں پھر کس بنا پر نذرِ آتش کی گئیں؟

پھُونک ڈالا باغباں نے اپنے ہاتھوں سے چمن
اہلِ گلشن پر ہے طاری ہر طرف رنج و محن

اب وطن جانا ہمارا ہو گیا امرِ محال
اور ظفر کی جا نظر آتا ہے اپنا ہی زوال

فتح کے جذبات سینوں میں ہوئے جاتے ہیں فوت
اور نشاطِ زندگی پر چھا گیا ہے خوفِ موت"
اعتراضِ عقلِ بے جرأت پہ طارقؔ ہنس دیا
کر کے عریاں تیغ کو پھر جوش سے اُس نے کہا
خائف و بُزدل ہیں دُنیا میں ہمیشہ بُت پرست
بندۂ مومن کو کوئی دے نہیں سکتا شکست
فتحِ مومن تو کتاب اللہ میں موعود ہے
نُورِ قرآں بھی ہمارے سینہ میں موجود ہے!
حق یہ کہتا ہے کہ مومن ہی کا حق ہے یہ زمیں[1]
مُشرک و سرکش زمینِ پاک کا وارث نہیں
اِس وراثت کے لئے قربان کر دو جان و تن
مالکِ دُنیا ہو تم، پھر کس لئے قیدِ وطن؟

میں نے خود ہی سب سفینوں کو دیا اُٹھ کر جلا
تا بھروسہ دل میں رہ جائے فقط اللہ کا
تم ہو خادم اُس کے اور وہ ہے تمہارا پاسباں!
اب عمل سے غیرتِ ایمان کر ڈالو عیاں!
محو کر دو اندلس سے کُفر و باطل کے مرید
یا اسی میدان میں سب کٹ کے ہو جاؤ شہید!"
سُن کے یہ تقریر فوراً سب نے اِک یلغار کی
فضلِ حق سے جنگ میں فتحِ مبیں حاصل ہوئی

آلِ محمدؐ

حق کے پیارے تھے محمدؐ کے گھرانے والے
راہِ حق تھے وہی دُنیا کو دکھانے والے
باندھ کے سر سے کفن آئے وہ پیشِ باطل
ن کے غازی تھے وُہی خوں میں نہانے والے
جب کہ کعبہ بھی تھا معمورہ بُتوں سے ہمدم
تھے وہی ہر بُتِ سرکش کو گرانے والے

جھوٹ ہے یہ کہ وہ تلوار سے چھائے ہر سُو
دل کو تھے لُطف و محبّت سے لُبھانے والے
پلے بہ پلے فاقوں سے تھے پیٹ پہ پتھر اُن کے
پھر بھی تھے بہر خدا سر کو کٹانے والے
دین و دُنیا کی سعادت ہے اُنہیں سے قائم
حشر تک اُن کے ہیں ممنون زمانے والے

معراج کی رات

مقصدِ عہدِ "بلیٰ" کی ہے امیں آج کی رات
ہم کو بخشا گیا ایمان و یقیں آج کی رات

منتظر جس کے تھے سب روزِ ازل سے ہمدم
نوعِ انساں کو ملتا ہے وہ دیں آج کی رات

اس زمیں ہی سے گئے عرش کی جانب جو نبیؐ
رشکِ فردوس ہوئی ہے یہ زمیں آج کی رات

جیسے ملتے ہیں سرے ایک کماں کے باہم
ہیں خدا اور نبیؐ یوں ہی قریں آج کی رات

نورِ معراج کی برکت سے ہیں روشن دو جہاں
فرش تا عرش ہے ہر چیز حسیں آج کی رات

جب کہ معراج ہے خود حُسنِ یقیں کی معراج
شک کا اک ذرّہ کسی دل میں نہیں آج کی رات

دین و دُنیا میں سعادت کی تمنّا ہو اگر
مومنو! سجدہ میں رہنے دو جبیں آج کی رات

پابندیِ عہد

غازیوں نے کر لیا اِک جنگ میں ہرقلؓ اسیر
اور مکّہ میں کیا حاضر اُسے پیشِ امیر
پوچھی جب فاروقؓ نے اصحاب سے اس کی سزا
فیصلہ سب کی طرف سے موت کا صادر ہُوا
جب سُنا ہرقل نے یہ، وہ چل گیا ایک ایسی چال
اہلِ مجلس کو نہیں تھا جس کا کچھ وہم وخیال

وہ لگا کہنے کہ "پیشِ موت ہے اِک آرزو
رحم کرنا بےکسوں پر ہے مُسلمانوں کی خُو
میں پیاسا ہوں بہت، پانی کا لا دو ایک جام
پھر کرو تم شوق سے اِس جان کا قصّہ تمام"
اُس کی خواہش پر وہیں اک جام منگوایا گیا
حکمِ فاروقی سے جب آبِ خنک لایا گیا
لے کے پیالہ ہاتھ میں بولا وہ مجرم نابکار
عرض ہے اک اور بھی، گر ہو نہ تم کو ناگوار
"جب تلک اس جام کا میں قطرہ قطرہ پی نہ لوں
جاں بخشی ہو مری، اور میں تسلّی سے جیوں!"
سُن کے یہ بولے عمرؓ "یہ شرط بھی منظور ہے
فطرتِ مومن رعایت دینے پر مجبور ہے!"

وہ لگا کہنے کہ "میں اس پانی کو پیتا نہیں!
اور مجھے تم مار بھی سکتے نہیں اب بالیقیں
موت میری آبِ حاضر پینے سے مشروط تھی
اب نہیں تم چھین سکتے مجھ سے حقِ زندگی"
اُس کی مکّاری پہ مُسلم محوِ حیرت ہو گئے
اور تھے فاروقؓ بھی مجبور اپنے عہد سے
الغرض فاروقؓ نے فوراً کیا اس کو معاف
کر دیا اعلان آزادی کا اُس کی صاف صاف

عہدِ مومن دیکھ کر ہرقل مسلماں ہو گیا
نورِ ایمانی سے دل اس کا فروزاں ہو گیا
جو یہ کہتے ہیں کہ پھیلا دینِ حق شمشیر سے
دیکھ لیں، اسلام پھیلا قلب کی تسخیر سے

فتحِ مکّہ

مکّہ کہ جو زمین کے چہرے پہ خال ہے
مکّہ کہ نورِ حق کے لئے بے مثال ہے
وہ سر زمیں کہ ناف ہے جسمِ جہان میں
تسبیح جس کی پڑھتے ہیں سب آسمان میں
کعبہ جو یادگار ہے اب تک خلیلؑ کی
توحیدِ کردگار کو جس سے بقا ملی

مسکن یہی تو قبلۂ ہر دو جہاں کا ہے
مرکز یہی تو خاک پہ حُسنِ جناں کا ہے
کُفّار نے رسولؐ پہ جینا کیا محال
معبودِ حق کو سجدہ کرے وہ، یہ کیا مجال
تھا جُرم اُس کا یہ کہ بُتوں کو بُرا کہا
خالق سے رشتہ جوڑ کے شر کو مٹا دیا
تنگ آ کے اُس نبیؐ نے جو ہجرت کی ٹھان لی
مکّہ چھُٹا مدینہ میں آ کر امان لی!
یاں آ کے دن بدن ہُوا اسلام کو عروج
باطل کا سر زمینِ عرب سے ہُوا خروج
مکّہ بھی غازیوں نے جو محصور کر لیا
ہر شخص آج خوفِ پیمبرؐ سے کانپ اُٹھا

کفّار کو یہ ڈر تھا کہ لے گا وہ انتقام
باشندگانِ مکّہ پہ جینا ہُوا حرام
لیکن نبیؐ نے سب کو یہاں کر دیا معاف
بخشش کا ہر جگہ ہُوا اعلان صاف صاف
خائف جو تھے رسُولؐ سے دل شاد ہو گئے
سب قیدِ انتقام سے آزاد ہو گئے
خُلقِ خدا کے عکس کا "خُلقِ عظیم" دیکھ!
اسلام کے امام کا لُطفِ عمیم دیکھ!

شعر

شعر کا جب مقصدِ واحد فقط تعمیر ہو
اُس سے پا لیتا ہے رفعت دین و دُنیا کا نظام
شعرِ صالح میں ہے مِلّت کے لئے درسِ حیات
شعرِ صالح قوم کو دیتا ہے پیغامِ دوام
شعر سے فطرت کی مخفی قوتیں ہیں آشکار
چشمِ انساں پر عیاں کرتا ہے انساں کا مقام

شعر سے بیدار ہو جاتی ہے رُوحِ انقلاب
شعر سے ہے جذبۂ تسخیر کو حاصل قیام

ہو نہ جس ملّت میں پیدا شاعرِ رنگیں نوا
اُس کے رزم و بزم کی تعمیر سمجھو ناتمام

رزم میں پاتا نہیں غازی کا خوں جوش و خروش
بزم رہ جاتی ہے آدابِ وفا میں تشنہ کام

پاک ہوں جذبات تو ہے شاعری پیغمبری
اُس سے ہوتی ہے نمایاں عظمتِ ربّ الانام

شعرِ صالح بھی مگر اللہ کی اِک دین ہے
پا نہیں سکتا کوئی محنت سے یہ اعلیٰ مقام

محفلِ انجم

(گفتگو ما بین حکماء و شعرا در عالمِ بالا)

"موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اِک پیغام ہے"
تھا مرے پیشِ نظر یہ قولِ حکمت آفریں
سو گیا "بانگِ درا" پر رکھ کے میں اپنی جبیں
مَوت سے اقبال کی تھا دل میں وہ حُزن و ملال
ایک لمحہ دن تھا گویا اور دن تھا ایک سال

نالہ و شیون پہ رُوح بے سکوں مجبور تھی
کیفِ درد و رنج سے ہستی مری معمور تھی
زندگی میں مجلسِ اقبال کا شیدا تھا میں
چشمۂ حکمت کا پیاسا ہی سدا رہتا تھا میں
الغرض آنسو مرے مقبولِ یزداں ہو گئے
رُوح کے تاریک پردے بھی فروزاں ہو گئے
رقّتِ احساس سے یہ دِل منوّر ہو گیا
اِس تجلّیٰ زار کی عظمت میں جب میں کھو گیا
دیکھتا کیا ہوں کہ دروازے فلک کے باز تھے
حُسنِ منظر سے عیاں فردوس کے انداز تھے
تھی اسی فردوس میں اِک محفلِ عالی بپا
آنکھ جس سے خیرہ ہو، موجود تھی ایسی ضیا

قصرِ جنّت کا یہ گوشہ اس قدر تابندہ تھا
جس کی ضَو سے مہرِ عالمتاب بھی شرمندہ تھا

ہے یہی کافی شہادت ہیبتِ دربار پر
لرزہ اُس سے چھا گیا دُنیا میں بھی اشرار پر

گو مجھے رد کا ملائک نے، مگر بڑھتا گیا
کون ہوتا ہے مزاحم اضطرابِ رُوح کا

طالبِ دیدار جا پہنچا تھا گویا طور پر
بارشِ تسکین برسی طارقِ رنجور پر

تھا اسی دربار میں اقبال شامل اس طرح
محفلِ انجم میں روشن ماہِ کاملؒ جس طرح

دائیں بائیں مشرق و مغرب کے اشخاص بلند
جن کی نظریں پھینکتی تھیں عرش پر بھی جا کمند

سامنے بیٹھے ہوئے بقراط و افلاطون تھے
عظمتِ یونانِ دیرینہ پہ جو مفتون تھے
دُوسری جانب نمایاں حافظِ شیراز تھا
مسلکِ رندی میں جس کا اور ہی انداز تھا
غالبؔ و خیامؔ بھی پہلو بہ پہلو جلوہ گر
جسم اُن کے گرچہ دو تھے رُوح میں تھے اک مگر
سعدیؔ و رُومیؔ یہاں سنجیدہ و ذیشان تھے
نورِ دل سے سر بسر تصویرِ اطمینان تھے
بائرنؔ، شیلےؔ کے پہلو میں ہوا جلوہ فگن
قلبِ مضطر میں تھی خارِ حُسن کی ایسی چُبھن
خوابِ حرماں دیکھ کر بھی آج وہ بیدار تھا
حُسن کے پرتو پہ مٹنے کے لئے تیار تھا

کیٹس کچھ اپنے تصوّر ہی میں ایسا کھو گیا
ساکن و بے حس ہُوا، پتھّر کی مُورت ہو گیا
گوئٹے ڈینٹے سے تھا سرگوشیوں میں ہمکلام
وقت نے بخشی تھی اُن کو شعر میں رُوحِ دوام
کانٹ اور ہیگل بھی اس جا رونقِ دربار تھے
جو "تصادم" اور "خودی" کے اوّلیں معمار تھے
اور انہیں میں سر جھکائے غم سے شوپنہار تھا
لمحہ زندگی کا باعثِ آزار تھا
برکلے بھی محو تھا اک عالمِ اوہام میں
رنگِ بہجت بھر رہا تھا عقل کے اصنام میں
اور نٹشے بھی بلا کا جابر و قہار تھا
نقش شاہر سینہ یہ تھا اور گلے میں ہار تھا

تھے شکن ماتھے پہ اُس کے، برقِ سوزاں لب پہ تھی
اور جلال و قہر سے معمور تھی اُس کی خودی
اُس کی ہر جنبش سے شانِ حاکمانہ تھی عیاں
بزدلی اور یاس کا ملتا نہ تھا نام و نشان
گہ زمیں کو دیکھتا تھا گاہ عرشِ کردگار
جیسے دو عالم کرے گا اِک نظر ہی سے شکار
قلبِ حسرت ناک میں تسخیر کا ارمان تھا
اُس کی خاموشی میں بھی ہنگاموں کا طوفان تھا
دیکھ کر اقبال کو جب مسکرا جاتا تھا وہ
رمز ہی میں مدعا دل کا بتا جاتا تھا وہ
ناگہاں اقبال کے ہونٹوں کو اِک جنبش ہوئی
بام و در میں جس سے پیدا اِک تیز سی لرزش ہوئی

اقبالؔ

واہ! نورِ شعر سے روشن ہے جنّت کی فضا
منزلِ عقبیٰ میں ہم نے پا لیا رازِ بقا
یہ جہاں یکسر حد کی قید سے آزاد ہے
سینۂ انسان نورِ عشق سے آباد ہے
ذرّہ ذرّہ اس جہاں کا ہے صداقت کا امیں
قومیت یا فرقہ بندی کا جنوں مطلق نہیں
معتقد اک شخص کے فتنے بپا کرتے نہیں
پیروِشِ اوہام میں خود کو فنا کرتے نہیں
دل ہمارا نورِ حکمت سے یہاں معمور ہے
ظلمتِ وہم و گماں ہر چشم سے مستور ہے

کیوں مقیّد ہو تاثّر چرخ کے تابوت میں
نغمۂ نکہت آفریں ہیں عالمِ لاہوت میں
آؤ، اُن عقدوں کا اک محکم ساحل سوچیں ذرا
عقلِ انسانی سے دُنیا میں رہے جو ماورا

خیّام

ایک شے ایسی ہے جو سونے نہیں دیتی مجھے
کر بیاں، ادراک میں اک شان حاصل ہے تجھے!
باعثِ تخلیقِ عالم کون سا احساس تھا؟
لوح میں یہ حکم کیسا زینتِ قرطاس تھا؟
کیوں بنایا تھا خدا نے عالمِ کون و فساد؟
اس کی تہ میں کونسا مخفی تھا قدرت کا مفاد؟

اقبالؔ

پیشتر اس سے کہ میں اس چیز پر کھولوں زباں
اہلِ مجلس بھی کریں اپنے تصوّر کو بیاں

ڈینٹے
(ایک معنوی اضطراب سے بے خود ہو کر)

حُسن کی جلوہ نمائی باعثِ تکوینِ دہر
حُسن کی نغمہ سرائی رونق و تسکینِ دہر
ذرّہ ذرّہ حُسن کے احساس سے معمور ہے
قلب اس کے سوز ہی سے رشکِ کوہِ طور ہے
حُسن گر مفقود ہوتا، محو تھا شوقِ عمل
تابشِ رخسار ہی ہے خالقِ ذوقِ عمل

خون میں جتنی روانی ہے، سبب اس کا جمال!
ماہِ نو نے حُسن کی تنویر سے پایا کمال!
حُسنِ نسوانی مری نظروں میں یوں محبوب تھا
جاذبہ ہر چیز کا اس جذب سے مجذوب[1] تھا
حسنِ نسوانی ہے بجلی طبعِ شاعر کے لئے
نکہتِ بے مثل ہے تسکینِ خاطر کے لئے
صانعِ قدرت کا عورت اک عجب شہکار ہے
ہر جھلک رخسار کی اک مخزنِ اسرار ہے
کر دیا بڑھ عشق نے مجھ کو دہر میں ایسا نہال
زندۂ جاوید ہوں، باقی نہیں کوئی ملال
رُوح نے معراج پائی، دل نے سیرِ جاوداں
مائلِ پرواز ہُوں، باطل ہوئی قیدِ مکاں

قوم کو میں نے دیا ہے ایک پیغامِ حیات
ہے عمل میں اس کے مخفی دین و دُنیا کی نجات

شیلے اور بائرن

(ہمنوا ہو کر)

حُسن ہی احساس کو رکھتا ہے ہر لمحہ جواں
حُسن سے ہے رُوحِ انسانی ہمیشہ شادماں
دل میں ہیجاں حُسن ہی کے عکسِ لافانی سے ہے
بحر کا سب جوش و طوفاں مہ کی تابانی سے ہے
پیکرِ نسوانیت اُس حُسن کی تصویر ہے
ذرّہ ذرّہ کے لئے جو باعثِ تنویر ہے
حُسن گر نابُود ہوتا دھر بھی نابُود تھا
جذبۂ و جوشِ عمل ہر قلب سے مفقود تھا

اقبالؔ

آپ کی گفتار میں ہے حُسن پابندِ ہوش
یہ ہوس کرتی ہے ہر سینے کو مانندِ قفس
حُسن شاعر کی نگہ پر اِس طرح ہے بے نقاب
رات کو جیسے ستارے چرخ پہ ہوں بے حجاب
حسن بحرِ بے کراں ہے، عقل کی سرحد سے دُور
عشق کی پرواز پاتی ہے نشاں اُس کا ضرُور
حُسن کا جلوہ نہیں پابندِ حُسنِ مرد و زن
حُسن سے معمور ہے فطرت کی ساری انجمن
"محفلِ قُدرت ہے اِک دریائے بے پایانِ حُسن
آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حُسن

حُسن کوہستاں کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضَو گستری، شب کی سیہ پوشی میں ہے
آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے یہ
شام کی ظلمت، شفق کی گُل فروشی میں ہے یہ
عظمتِ دیرینہ کے مٹتے ہوئے آثار میں
طفلکِ نا آشنا کی کوششِ گفتار میں
ساکنانِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے
چشمۂ کُہسار میں، دریا کی آزادی میں حُسن
شہر میں، صحرا میں، ویرانے میں، آبادی میں حُسن
رُوح کو لیکن کسی گُم گشتہ شے کی ہے ہوس
ورنہ اس صحرا میں کیوں نالاں ہے یہ مثلِ جرس

حُسن کے اس عام جلوے میں بھی یہ بیتاب ہے
زندگی اس کی مثالِ ماہیِ بے آب ہے"

نٹشے

کیوں نہیں دُنیا میں حاصل رُوح کو اپنی معاش؟
کونسی شے ہے کہ جس کی اس کو رہتی ہے تلاش؟

اقبالؒ

رُوح کو تسکین ملتی ہے فقط ایمان سے
زندگی جذبات کی ہے قوتِ ایقان سے!
ہے حیاتِ جاوداں ذاتِ خدا کی جستجو
جسمِ آدم کے لئے رُوح و رواں ہے آرزو

اتصالِ جزو کُل میں ہے نشاطِ جاوداں
قطرہ گر کر بحر میں ہوتا ہے خود بھی بے کراں
آہ اے نٹشے مگر تُو ذکر سے محروم تھا
تیرا اندیشہ خدا کی فکر سے محروم تھا
دل ترا جب پرتوِ ایماں کے قابل ہُوا
عقل کے الحاد کا پردہ وہیں حائل ہُوا
کھو دیا تیری ضلالت نے کلیسا کا وقار
لُوٹ لی تیری خزاں نے دین و مذہب کی بہار
ہے یہی باعث کہ تجھ میں رحم و شفقت کچھ نہیں
ہو خرد جب کفر پر مائل تو حکمت کچھ نہیں
فلسفہ تیرا ترے افلاس کی تصویر ہے
پستیِ احساس گویا باعثِ تعزیر ہے

تجھ کو مجنوں کر گیا "انسانِ کامل" کا نظام
عاشقِ مخلوق سے مخفی ہے خالق کا مقام
رُوحِ مومن پر ہویدا ہیں مگر لوح و قلم
مضمحل مومن کو کر سکتا نہیں خوفِ عدم
رُوح مومن کی ہے یا اک مضطرب سیماب ہے
اک نئی دُنیا کی خاطر ہر گھڑی بیتاب ہے
ہے ازل سے اس کی طینت میں زبس ذوقِ سفر
عرش بھی تو ہو نہیں سکتا ہے اس کا مستقر
نت نئے خطرات ہی میں رُوح کی تسکین ہے
خونِ پیغمبر سے ہمارے قصے کی تزئین ہے
جدتِ تخلیق سے یہ رُوح رہتی ہے جواں
ممکناتِ زندگی ہیں سخت کوشی سے عیاں

ہے غذا اس کو مہیّا جذبۂ تسخیر سے
منقلب تقدیر بھی ہے قوّتِ تدبیر سے

غالبؔ

کیوں بنی آدم گر تقدیر سے مجبور رہے
حادثاتِ دہر سے بے چین ہے، مقہور ہے!
روحِ آزادی ہے قسمت کے فسوں سے نوحہ خواں
آرزوئیں رہ گئیں حسرت کے ہاتھوں بے زباں!

اقبالؒ

ہو گئے گمراہ اس تقدیر میں اہلِ زمیں
یاس و حسرت دہر میں تعلیم کا حاصل نہیں

ہے تصوّر[1] پر بشر کے خیر و شر کا انحصار
ذرۂ ناچیز ہے اُس کے اثر سے کوہسار

جب تلک تھا سنگ خوئے سنگ ہی کا رازدار
ہستیِ محکم سے پایا اُس نے دُنیا میں وقار

جس گھڑی آیا اُسے آئینہ بننے کا خیال
ریزہ[2] ریزہ ہو گیا اور کھو دیا پہلا جلال

باعثِ ذلّت ہے خود دُنیا میں پستی کا شعور
پستیِ احساس سے رہتی ہے رفعت دُور دُور

اک مسافر خود کو جب سمجھے زبون و ناتواں
دُزد و رہزن مار ڈالیں گے اُسے پایا[3] جہاں

ایک قطرہ[4] ہے، کہیں آنسو کہیں شبنم ہے وہ
جب وُہی موتی بنے تو شاہ کا ہمدم ہے وہ

پس بنے موتی تو تاجِ خسروی تیرا مقام
اور بنے شبنم، تو سورج تجھ کو کر دے گا تمام
جب ہوا قُلزم[1] سے واصل، مل گئی تجھ کو بقا
جب گرا صحرا پہ، ہستی ہو گئی تیری فنا
بُوم[2] ظلمت میں سدا خلوت ہی کا دیوانہ ہے
دُور آبادی سے ہے، تقدیر میں ویرانہ ہے!
باز[3] لیکن چاہتا ہے ہر گھڑی تازہ فضا
حسرت و اندوہ کی غالب نہیں اُس پر وبا
چُست و باہمت ہے وہ، مسرور ہے طرّار ہے
خوشۂ انجم[4] پہ جا کر مارتا منقار ہے
کاہ اپنے ضعف سے بے ضبط ہے برباد ہے
کوہ[5] لیکن حملۂ طوفاں سے آزاد ہے!

ہر تصوّر کی جزا انساں کو ملتی ہے جُدا
ہے یہ خود اپنی جزا اور آپ ہی اپنی سزا
عذر ہے تقدیرؔ کا پسِ عجز ہمت کی دلیل
تن پرستوں نے نکالی بیٹھ رہنے کی سبیل
کاٹ دو ایماں سے تقدیر کی زنجیر کو
غالبِ تقدیر کر لو عزم کو تدبیر کو!

سعدی

جب نہ اطمینان لینے دے یہ جورِ روزگار
کیوں نہ پھر انساں کا مسلک ہو عجز و انکسار؟
گرچہ بحرِ غوطہ زن قلزم ہے معمورِ گہر
ہر قدم پر اُس میں پیدا ہیں مگر صدہا خطر

ہے فقط ساحل پہ سب سامانِ لطفِ زندگی!
طبعِ انساں کے لئے راحت میں ہے پائندگی!

اقبالؒ

تُو اگر سمجھے تو رازِ زندگی خطروں میں ہے
رُوحِ آزادی کو ہے ان سے ترقّی پے بہ پے
سازِ ہستی کے لئے خطرہ ہی اِک مضراب ہے
قلبِ انسانی اسی احساس سے بیتاب ہے
ہے خطر سے خُون کے ہر قطرہ میں جوشِ عمل
اور عمل کی قوّتوں سے مات ہوتی ہے اجل
دہر میں جو قوم بھی خطروں سے خائف ہو گئی
کر گئی غارت خزاں اُس کی بہارِ زندگی!

حافظ

خیرؔ و شر کا مسئلہ کر دے ذرا اب بے نقاب
اس کشاکش سے ہے میری عقل پر چھایا حجاب
خیر تھا گر مقصدِ قدرت تو شر ہے کس لئے؟
اہرمن دُنیا میں اندوہِ جگر ہے کس لئے؟

اقبالؒ

ہستیِ ہر ذرہ ثابت ہے یہاں اضدادؔ سے
رحم کو پہچانتے ہیں ظلم اور بیداد سے
عاجز و کمزور کی دنیا میں ہے طاقتؔ حریف
ہے کثیف اک شے اگر تو دُوسری شے ہے لطیفؔ

نُور کو ہم "نور" کہتے ہیں کہ اک "ظلمت" بھی ہے
زحمتِ اعمال میں مستور کچھ رحمت بھی ہے
کُفرِ آذر سے مجلّٰی ہو گئی شانِ خلیلؑ
اہرمن سے ہے نمایاں عظمتِ ربِ جلیل
ایک ہے انکارِ فرعون، ایک اقرارِ کلیم
ایک ہے قلبِ غلیظ اور ایک ہے قلبِ سلیم
بولہب سے ہے جنابِ مصطفٰےؐ کا امتیاز
ہے نشیبِ کُفر سے ممتاز ایماں کا فراز
زینتِ تسبیح دیکھو رشتۂ زنّار سے
پیرہن میں پھُول کے موجود نوکِ خار ہے
ہے اسی قانون کا محکوم باطل کا وجود
شر کی ہستی خیر کے حق میں ہے سرتاپا صعود

مردِ مومن شر سے بھی کرتا ہے پیدا خیر کو
کعبہ کو تعمیر کرتا ہے وہ ڈھا کر دیر کو

مردِ مومن ظلمتوں کو ڈھالتا ہے نور میں
وہ تجلّی حق کی ہے گویا شبِ دیجور میں!

وہ ضرر سے بھی کیا کرتا ہے پیدا منفعت
ظلم کو کر کے فنا، لاتا ہے ذوقِ معدلت

الغرض اقوام کے اعمال ہوں جب بھی سقیم
مردِ مومن ہی دکھاتا ہے صراطِ مستقیم!

افلاطون اور برکلے

خیر و شر کی کیا حقیقت جب کہ دنیا وہم ہے
کچھ صداقت ہی نہیں رکھتی یہاں کی کوئی شے

دہر کی ہر چیز ہے ذہن بشر کا انعکاس
رُوح دائم عالم سفلی میں رہتی ہے اُداس
حق و باطل جب کہ ہے جذباتِ انساں کا فریب
اعتباری مرحلے ہیں، ہو بلندی یا نشیب!
کس قدر گمراہ کرتی ہے ہمیں اپنی نظر
پر توِ تخئیل کو سمجھے حقیقت کا ثمر!

غالب اور شوپن ہار

(عقیدۂ مذکورہ کی تائید کرتے ہوئے)

عالم سفلی کی یہ اک ہو بہو تصویر ہے
جو عقیدہ ہے ہمارا، اُس کی یہ تفسیر ہے!
وہم ہے، ظن ہے، الم ہے زندگی انسان کی
ہے حکومت سب پہ گویا قوّت شیطان کی

حملۂ شک سے مذبذب ہے سدا ذوقِ یقیں
اعتقاد و عزم اک بنیاد پر قائم نہیں
قیدِ ہستی میں نہیں قیدِ مصائب سے نجات
ہے عذابِ بے کراں دراصل انسانی حیات

اقبالؒ

(پُر جلال لہجے میں)

پستیٔ فطرت کا آخر ہو گئے تم خود شکار
کھو دیا اوہام کے غلبے سے ہستی کا وقار
عشق کی ضو سے تمہارا قلب تھا یکسر تہی
کائناتِ دہر کی عظمت بھی یوں مخفی رہی
مر گئے آخر تڑپ کر فلسفے کے دام میں
عقل حیراں رہ گئی فانوسِ صبح و شام میں

دہر کو جب نقش باطل جان لے اپنا خیال
کس طرح قائم رہے گا ابنِ آدم کا جلال
زندگی انسان کی محکم فقط ایماں سے ہے
جذب و استقلال دل کا قوّتِ ایقاں سے ہے
جب مٹا دل سے یقیں، طاری ہوا فوراً زوال
یاس کر دیتی ہے زائل رنگِ فطرت کا جمال
پھوٹ جائے آنکھ دھوکا جس کو دے اپنی نظر
جل بجھے وہ دل جو پائے کچھ نہ ایماں کا اثر
آبرو ہے مردِ مومن کی فقط تسخیر سے
جذب ہوتے ہیں عناصر ماہرِ شمشیر سے
ہے جری کے ہاتھ سے مغلوب ساری کائنات
وہم کے بندے پہ غالب ہے سدا خوفِ ممات

جُز یقیں بے سود ہے انسان کا علم و عمل!
گھیر لیتی ہے مذبذب قلب کو فوراً اجل
"ہے ابد کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق
عقلِ انسانی ہے فانی، زندۂ جاوید عشق"
عشق کے شعلوں سے جل جاتا ہے ہر وہم و گماں
عشق کے اعجاز سے ہے خاکِ آدم جاوداں
کُفر ہے، واماندگی ہے، ضعف ہے، بیداد ہے
نُورِ ایماں مٹ چکا، باقی فقط الحاد ہے
اے خدا! مشرق کو رکھ محفوظ ان آفات سے
مغربی تہذیب کی بڑھتی ہوئی ظلمات سے

رُومی

قائدینِ مشرق و مغرب سیاست پر نثار
دین و مذہب کا کسی دل میں نہیں باقی شرار
دین رہ سکتا ہے آئینِ سیاست سے جدا؟
دین میں ہے یا سیاست میں مسلماں کی بقا؟

اقبالؒ

دین کو ہم جب کریں رُوحِ سیاست سے جُدا
ہم مہیّا کر رہے ہیں خود ہی سامانِ فنا
ہے اگر مطلوب ہم کو قوم و مِلّت کا مفاد
چاہیئے دین و سیاست میں مکمّل اِتحاد

کامیابی ہو نہیں سکتی کبھی الحاد سے
رُوح کو صدمہ ہے جُوع الارض کی بیداد سے

جو بھی ہے محروم دیں، وہ پیروِ چنگیز ہے
یاد رکھو اُس کی ہر خواہش تباہی خیز ہے

جب بھی آتا ہے تو لادینی سے آتا ہے زوال
حق سے باغی ہو کے ہو جاتی ہیں قومیں پائمال

حفظِ مذہب ہی سے احساسات رہتے ہیں جواں
ہے تصوّر میں خدا کے عظمتِ ملّت نہاں

دین سے اقوام میں الحاق ہے، تسکین ہے
گر سیاست ہے جسد تو رُوح اُس کی دین ہے

دین مرکز ہے ہمارے شوق کا جذبات کا
جب یہ مرکز کھو گیا؛ جوشِ عمل دل سے مٹا

دین سے ہے تازہ و سرسبز ملّت کا چمن
مت کرو برباد اپنے ہاتھ سے اپنا وطن!
حرصِ زر ہے، دھر میں ہنگامۂ پیکار ہے
مجلسِ اقوام کی بھی اب تو مٹّی خوار ہے
قائدینِ ایشیا بھی بن گئے اُن کے مُرید
مردِ مومن تو نہ مانے گا کبھی حُکمِ یزید
جو بھی فطرت کا مخالف ہے، وہ ذلّت پائیگا
کھا کے ٹھوکر ہر طرف مذہب کی جانب آئیگا

شکسپیر اور ملٹن

شک نہیں اس میں کہ مذہب سے ہے انساں کی نجات
اور نیکی ہی سے پا سکتے ہیں معراجِ حیات

کون سی نیکی ہے لیکن سب سے بہتر اور بلند؟
کس عمل سے رُوحِ آدم ہے جہاں میں ارجمند؟

اقبال

نیکیاں یُوں تو بنائی ہیں خدا نے بے شمار
ہے مگر "تلقینِ حق" سب سے زیادہ باوقار!
قولِ حق پر جان دینا سُنّتِ پیغمبری
مردِ حق گو قوم کو دیتا ہے تازہ زندگی
قولِ حق سے گُلشنِ ملّت میں آتی ہے بہار
قولِ حق سے دینِ حق رہتا ہے ہر دم پائدار
ہیں مگر حق کے مبلّغ صرف مردانِ دلیر
اس عمل کے واسطے درکار ہے اک رُوحِ شیر

مردِ حق گو جب کسی بھی قوم میں نابود ہو
دل تو ہو، پر جذبۂ تبلیغِ حق مفقود ہو
محو کر دے گا جہاں سے اس کو فطرت کا نظام
زندگی کی نعمتیں ہو جائیں گی اُس پر حرام

کارل مارکسؒ

تجھ کو حق گوئی میں بخشا حق نے اک اعلیٰ مقام
ہاں، بتا برہم ہے کیوں اتنا سیاست کا نظام؟
خوارئ مزدور میں ہے کون سی حکمت نہاں؟
عدل کیوں ہوتا نہیں اقوامِ عالم سے عیاں
ہو گا کیا آخر ہوس کی چیرہ دستی کا مآل؟
خواجہ کی تقدیر میں لکھا ہے کب حشمِ زوال؟

کر رہے ہیں بے کسوں کو دہر میں ظالم فنا
کیوں نہیں امداد کرتا حق پرستوں کی خدا؟
ہر کوئی بربادیٔ مزدور پر مائل ہوا
حالِ مخلوقات سے اللہ بھی غافل ہوا

اقبالؒ

تیرے لینن نے جہاں کو کونسی بخشی نجات؟
اشتراکیت سے کیا انسان نے پائی حیات؟
ذہن پر لینن کے چھایا تھا عقیدت کا جنوں
تیری اُلفت میں کیا تھا عام اُس نے قتل و خوں
یاد ہے تجھ کو ترے پیرو کا وہ طوفانِ جنگ؟
مملکت سب رُوس کی جب ہو گئی تھی لالہ رنگ!

خونِ آدم سے کئے تیار اس نے گلستاں
اُس کی بے رحمی پہ تھے پیر و جواں ماتم کناں

کشمکش کی اس قدر، لیکن جزا کیسی ملی؟
عادلِ قدرت کی جانب سے سزا کیسی ملی؟

ہو گیا بستر پہ آخر وہ بھی نادم وقتِ مرگ
کچھ نہ دیکھا مستبد حکمت کا اپنی ساز و برگ[1]

مُنکرِ خالق کو اقرارِ خدا کرنا پڑا
آمریت[2] کھو گئی تو ظلم سے تائب ہُوا

ہے خلافِ فطرتِ[3] انساں تیرا اشتراک
کوئی مردِ حُر کرے گا دہر سے یہ قصّہ پاک

پیروی اَلْعَفْو[4] کی بخشے گی دُنیا کو سکوں
ہر دلِ مُردہ اسی سے پائے گا سوزِ دروں

سُود کی حُرمت میں ہے مِلّت کی عظمت کا نشاں
جذبۂ ایثار سے ہے رُوح میں تاب و تواں
ہے اخوّت سے ضیا اندوز مُسلم کا عمل
اتحادِ باہمی کو آ نہیں سکتی اجل!
ہے حرام اسلام میں تفریقِ محمُود و ایاز
اور زکوٰۃ و صدقہ سے مومن ہے دائم سرفراز
آ رہا ہے تیز رفتاری سے دُنیا میں وہ دَور
جب معاشی زندگی کے ہوں گے کچھ انداز اور
آخرش مزدور شاد و کامراں ہو جائے گا
مرگِ سرمایہ سے وہ فرحت نشاں ہو جائیگا
"دستِ دولت آفریں" خود ہو گا دولت کا امیں
درگہِ انسان پر انساں نہ رکھے گا جبیں!

جو کبھی محتاج تھے وہ دیں گے اوروں کو زکات
مُفلسوں سے بھی نمایاں ہو گا اندازِ حیات
آنکھ جو کچھُ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
راز ہیں کچھُ اور بھی لیکن بتا سکتا نہیں

{ اقبالؔ اپنی نشست سے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ گویا الوداع کہنا چاہتا ہے }

مِلٹن

جُستجو میں رات دن رہتا ہے گو میرا دماغ
"گُم شدہ فردوس" کا مِلتا نہیں اب تک سُراغ
گرچہ شاداں اور آسودہ ہے اِس جا زندگی
ہے مگر جنّت میں بھی موجود مُبہم سی کمی!

اقبالؒ

تُو فقط محسُوس کرتا ہے یہ مُبہم سی کمی
اور میں کرنے کو ہوں اس راز کی پردہ دری
توڑ دوں گا آن میں بندِ مکاں، قیدِ زماں
رُوح پاتی ہے سفر ہی میں نشاطِ جاوداں

[ان الفاظ کے ساتھ رُوحِ اقبال اس محفلِ انجم کو چھوڑ کر عرشِ خداوندی کی جانب پرواز کرتی ہے۔ تمام اہلِ مجلس رُوحِ اقبال کو حیرت سے تکتے رہ جاتے ہیں۔ بعض کی آنکھوں سے یہ وداعی منظر دیکھ کر آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اتنے میں رُوحِ اقبال سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جا پہنچتی

ہے۔ یہاں ہلکے ہلکے سیمین بادل نمودار ہوتے ہیں۔
بادلوں کے عقب سے ایک مقدّس نغمہ و زمزمہ سُنائی
دیتا ہے اور لامکان ذکر و تسبیح سے گونجنے لگتا ہے تجلیات
کی کثرت نگاہِ انسانی کے لیے حجاب بن رہی ہے۔ یہاں
سفید کبوتروں کی سی مخلوق فضا میں مائل پرواز ہے۔
یہ فرشتوں کا ہجوم ہے جو بیت المعمور کو بقعۂ نور بنائے
ہوئے ہے۔ سید الملائکہ یعنی جبریلِ امین رُوحِ اقبال
کو اس بیباکی سے پرواز کرتے ہوئے دیکھ کر مزاحم ہوتا ہے اور
کہتا ہے :]

جبریل

کون سا آدم ہوا عرشِ الٰہی کے قریب؟
ہے صدا کس مرد کی یہ اس قدر زار و مہیب؟

کون داخل ہو گیا ہفت آسماں کو چیر کر؟
کس کے سینے میں ہے پیدا اِس قدر زورِ جگر؟
کون ہے نا آشنا اِس بزم کے آداب سے
اہلِ جنّت کو جگایا کس نے لُطفِ خواب سے؟
ہم ہیں درباں عرش کے، یہ پوچھتا تک بھی نہیں
ذوقِ سجدہ سے مگر محروم ہے اس کی جبیں؟

اقبالؒ

میں ہوں اے جبریل! تُو نے مجھ کو پہچانا نہیں؟
ہمدمِ دیرینہ! مت ہو اِس قدر چیں بر جبیں!
تیری بزمِ لامکاں کا دیر سے محرم ہوں میں!
جس کا تُو درباں ہے، اُس ذات کا ہمدم ہوں میں

لے چلا ہے عرش سے آگے مجھے ذوقِ سفر
مردِ حُرّ پر بندشِ ہفت آسماں کا کیا اثر؟
بعدِ مُدّت رُوح کی معراج سے دلشاد ہوں
ہر گھڑی میں اِک جہانِ تازہ میں آباد ہُوں
فطرتِ اقبال میں پرواز ہی پرواز ہے
رُوح میں بال و پرِ جبریل کا انداز ہے!

جبریل

مرحبا، صد مرحبا! اقبال مِلّت کی پناہ!
تیرے قدموں کے لئے ہیں میری آنکھیں فرشِ راہ
عشقِ مومن ہے یہاں آداب سے بھی بے نیاز
ہے حریمِ ناز میں تیرے لئے خاص امتیاز!

[فرشتے ہم نوا ہو کر کورس کے
طور پر یہ غزل گاتے ہیں۔]

اِک قطرۂ طوفانی افلاک میں مہماں ہے
اقبال کی آمد سے ہر خار گلستاں ہے
یہ جرأت و بے باکی، یہ جذبۂ لولاکی!
خود عرش ہلا دینا انسان پہ آساں ہے
اب خاک کے زندانی افلاک پہ حاوی ہیں
یہ قوتِ انساں ہے، یہ شوکتِ ایماں ہے!
اِک ذرّۂ لاشے تھا پستی میں زمیں کی یہ
اب ذرّۂ لاشے ہے؟ یا برق ہے طوفاں ہے؟
پروازِ خودی دیکھو، تسخیرِ عمل دیکھو!
جو خاک کا ذرّہ تھا، اب فتنۂ دوراں ہے!

اس رُوح میں یہ قوّت پیمانِ ازل سے ہے
جو راز "بَلیٰ" میں تھا، وہ راز ہی عُریاں ہے

حُورانِ بہشتی

(بطورِ استقبال فردوسِ بریں سے نغمہ سرا ہوتی ہیں)

فردوس کا ہر ذرّہ بے تاب ہے رقصاں ہے
یہ عشق کا سودائی کیوں ہم سے گریزاں ہے
ہے وصل کی لذّت خُوب، اسبابِ تعیّش خوب
جو پھُول کی پتّی ہے، وہ رشکِ گلستاں ہے
اب رنجِ محبّت کیا، اندوہِ رقابت کیا؟
جو حُسن سے واصل ہے، بے خوف ہے شاداں ہے
محنت کا ثمر ہے یہ، تقویٰ کی جزا ہے یہ
ہر پتّہ درخشاں ہے، ہر شاخ غزل خواں ہے

ہر شے میں تنوّع ہے ہر بام پہ جلوے ہیں!
معشوق میں شوخی ہے اور عشق میں ہیجاں ہے
سازوں سے جو اُٹھتی ہیں حوروں کی حسین تانیں
تسنیم کی موجیں ہیں، نغمات کا طوفاں ہے
مستی ہے نگاہوں میں، جذبات میں رنگینی
ہر ساغرِ بلّوریں سورج سے بھی رخشاں ہے!
آزاد ہیں ہم غم سے، محفوظ خزاں سے ہیں
نکہت ہے لطافت ہے طوفانِ بہاراں ہے
یاں موت نہیں آتی اور آنکھ نہیں روتی
جس رُخ بھی نظر ڈالو، تسکین کا ساماں ہے
اندوہِ تغیّر کیا اور کُلفتِ ہجراں کیا
اک نورِ مسرّت ہی ہر شے سے نمایاں ہے

خطرات سے آزادیٔ احساس کی فرحت ہے
یہ جنّتِ باقی ہے، یہ عیشِ فراواں ہے!
کچھ پاسِ ادب ہوتا، کچھ ذوقِ سکوں ہوتا!
اقبالؔ عجب شے ہے، جنّت سے گریزاں ہے!

[اقبال یہ نغمے سنتا ہے اور فاتحانہ انداز سے مسکراتا ہُوا عرش کی جانب بڑھتا ہے، فرشتوں کی یہ سریلی تانیں اور حوروں کے طنز آمیز نغمے دُور فاصلے ہیں ہوا کی لہروں کے اندر آہستہ آہستہ مدغم اور مدّھم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اب عرش کے ماحول میں تجلّیاتِ الٰہی کا سیلاب اُمنڈ رہا ہے اور لامکان میں ایک سکونِ مطلق طاری ہے]

اقبالؒ خدا کے حضور میں

خُدا

آ، مبارک ہے ترا آنا جہاں سے اے حکیم!
تیری بے تابی میں ہے جلوہ فگن شوقِ کلیمؑ!
یاس کے حق میں ترا ہر ہر نفس اِک برق تھا
قلبِ حق آگاہ کے قبضے میں غرب و شرق تھا
اے کہ تیری چشم پر ظاہر ہیں اسرارِ بقا
بُت پرستوں کو دکھایا تُو نے در اللہ کا
ذوق کیا ہے، شوق کیا ہے، جستجو کس شے کی ہے؟
کس ہوس پر مست رہتے ہیں میرے بندے پے بہ پے؟

اقبالؔ

شرم آتی ہے مجھے دیتے ہوئے اس کا جواب
یاس میں سب غرق ہیں ، ہستی کو سمجھے ہیں سراب
کہنے کو ہیں وہ مہذّب ، رُوح ہے غرقِ ہوس
اتّباعِ نفس میں کٹتا ہے اُن کا ہر نفس
اپنے گوہر کو خزف[1] ریزہ سمجھتی ہے نگاہ !
کُفر کی تہذیب پر مٹتے ہیں سب شام و پگاہ[2]
ممکناتِ زندگی بے کار ہیں الحاد سے
رحم و اُلفت مِٹ چکے ہیں کثرتِ بیداد سے
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی شقاوت[3] کی دلیل
اہلِ[4] تقویٰ فاسقوں[5] کے ہاتھ سے خوار و ذلیل !

رکھ دیا ہے طاقِ نسیاں پر اُٹھا قرآن کو
امن کے حق میں مضر سمجھے ہیں وہ ایمان کو

کیوں کیا تھا تُو نے پیدا پھر بتا ایسا جہاں
جس کے بندے ہو سکے ہرگز نہ تیرے رازداں

خود کو جو سمجھے نہیں، وہ تجھ کو پہچانیں گے کیا؟
بے وفا جو خود سے ہیں، تجھ سے کریں گے کیا وفا؟

مقصدِ تخلیقِ عالم اب بھی ہے زیرِ حجاب
ابنِ آدم نے خلافت کو کیا خوار و خراب

خدا

میری جنسِ حکمت و دانش بہت ارزاں نہیں
طور کی تابانیاں ہر کوہ پر رخشاں نہیں!

گو تصنّع ہے بہت ، تاثیرِ فطرت اور ہے
لاکھ اُڑیں طائر مگر شاہیں کی رفعت اور ہے
گرچہ بُلبل کی طرح وہ دیکھتے ہیں ہر چمن
دردِ دل اُس کا مگر پاتے نہیں زاغ و زغن[1]
پھُول ہیں لاکھوں کہ ہیں تھامے ہوئے اپنا ایاغ[2]
اُن کا دل ہرگز نہ لیکن پا سکا لالے کا داغ
بھیک مانگے نُور کی دُنیا میں لے کر اپنا جام
ماہِ نخشب[3] پا نہیں سکتا مگر مہ کا مقام
جن کو دُنیا میں ملا کرتا ہے ایمانِ خلیل[4]
ہیں مری مخلوق میں اس شان کے بندے قلیل[5]
میں نے جب تولا تھا تیرے قلب کو روزِ ازل
وزنِ کُل عالم پہ غالب تھا ترا جوشِ عمل

کر چکا ہے تُو جہاں میں فرض کو اپنے ادا
دیکھ اب تیرے لئے جنّت کا دروازہ ہے وا
دیر سے رضواں کھڑا کرتا تھا تیرا انتظار
تیرے استقبال سے ہے اہلِ جنّت کا وقار
ہے کشاکش سے فسردہ، اب ذرا آرام کر
نغمہ خواں حوریں ہوئیں موجوں کی میٹھی تان پر
باعثِ برکت ہے سب کے واسطے تیرا قدم
رونقِ محفل بڑھا اپنے نفس سے دم بدم
جوئے شیر و نغمہ و حسن و جمالِ دل فزا
ہے اسی ماحول میں کچھ زندگانی کا مزا
بوئے عنبر، رنگِ گُل، لُطفِ حریرٰ و پرنیاں
شوق اگر بے چین ہے تو نعمتیں بھی بے کراں

روشنی ہے، زمزمہ ہے، کوثر و تسنیم[لہ] ہے
راحت و آرام کے اسباب کی نعیم[عہ] ہے
آج حاصل ہے تجھے اپنی مشقّت کی جزا
ہم تری خدمت کا حق کرتے ہیں وسعت سے ادا

اقبالؒ

تیری بخشش پر ادا کرتا ہوں تیرا شکریا
کر نہیں سکتی زباں حمد و ثنا کا حق ادا
ہے مگر جنّت سے بھی محبوب تر مجھ کو سفر
اس سفر ہی میں نظر پاتی ہے اندازِ ظفر[سہ]
رُوح میری اس جگہ بھی مائلِ تسخیر ہے
یہ جہاں ہے، یا جہاں کی نیم جاں تصویر[سہ] ہے

گو مزیّن ہے یہ دُنیا عیش کے سامان سے
دشمنِ آرام ہوں ہیں قلب کے ہیجان[1] سے
جب تعطّل[2] آفریں ہو، موجِ کوثر بھی ہے سم
لامکاں میں کیوں گھٹا جاتا ہے یارب میرا دم؟
سطوتِ یزداں تو ہے اس جا مگر شیطاں نہیں؛
ابنِ آدم حادثاتِ دہر سے حیراں نہیں
خیر و شر کی جس جگہ ہنگامہ آرائی نہ ہو
حق تو ہو لیکن کوئی باطل کا سودائی نہ ہو
وہ جہاں احساس کے حق میں ہے مرگِ ناگہاں
ساکن و بیکار رہتے ہیں وہاں قلب و زباں
ہیں یہاں بھی غازیوں کے نعرہ ہائے دلگداز؟
سایۂ شمشیر میں پڑھتے ہیں کیا مومن نماز؟

یہ زمیں بنتی ہے کیا خونِ شہیداں سے چمن؟
می شود ایں جا کسے پروانہ بر شمعِ وطن

جو لڑے آذر سے کوئی ایسا ابراہیم ہے؟
آگ ایماں کے اثر سے موجۂ تسنیم ہے؟

کیا یہاں بھی گرم ہے پیکارِ فرعون و کلیم؟
خیر و شر میں ڈالتی ہے کش مکش اُمید و بیم؟

ہے کوئی شمشیر تیرے ہاں بھی اتنی آب دار
قیصر و کسریٰ کے سینوں میں جو لیتی تھی قرار؟

موت سے ہوتا ہے پیدا اس جگہ جوشِ عمل؟
دیتے ہیں اک ضرب سے دریا[1] کو خشکی میں بدل؟

کیا یہاں اصنام[2] سے بھرتے ہیں گھر اللہ کا؟
کیا یہاں ہوتا ہے شق اُنگلی سے زہرہ[3] ماہ کا؟

ہے کوئی حیدرؓ کہ توڑے گردنِ مرحبؓ یہاں؟
بحر میں جا کودتے ہیں راکب و مرکبؓ یہاں؟
یہ نہیں موجود اگر اس جا تو جنت بھی جحیم!
حور و غلماں کو بناؤں کس لئے اپنا ندیمؓ؟
قلبِ رخشاں میں مرے مخفی ہے وہ سوزِ حیات
جس کو تا شامِ ابد ہرگز نہیں خوفِ ممات
کتنے عالم ہیں مری آنکھوں پہ اس لمحہ عیاں
جن کی وسعت کو میں خود بھی کر نہیں سکتا بیاں
چاہتا ہوں ہر گھڑی دُنیا نئی آباد میں
توڑ کر کہنہ جہاں کرتا ہوں دل کو شاد میں
زندہ رکھتا ہے مجھے دائم مرا ذوقِ سفر
کرتے ہیں گردش مری پرواز کی شمس و قمر

جذبۂ ایماں سے پیدا ہے مرے دل میں شباب
اب پرِ پرواز سے توڑوں گا گردوں کی طناب

ہیں جہاں کچھ اور بھی اور آسماں کچھ اور بھی
رُوحِ مومن کے لئے ہیں امتحاں کچھ اور بھی

میں تری خاموش دُنیا میں سما سکتا نہیں
عرش بھی جذبات کو میرے دبا سکتا نہیں

رُوح کو محسوس ہوتے ہیں قفس ہفت آسماں
توڑ کر ان کو رواں ہوتا ہے میرا کارواں

لے چلی ہے اِک نئی دُنیا میں مجھ کو آرزو
وہ جہاں، جاری رہے گی جس کی دائم جستجو

گر کوئی حائل ہُوا تسخیر میں تحقیق[۱] میں!
ضُعف آسکتا نہیں اس سے مری تخلیق[۲] میں

اِک نفس سے ہر دو عالم کو جلا ڈالوں گا مَیں
خاک اپنی ہی لحد سے پھر اُٹھا لاؤں گا مَیں
خاک سے اپنی ہی پھر پیدا کروں گا اک جہاں
منفعلؔ ہوں دیکھ کر جس کو ترے کون و مکاں
رہ نہیں سکتا میں راحت کی فضا میں مستِ خواب
انقلاب و انقلاب و انقلاب و انقلاب!

شعرِ اقبال

مِلّت کے لئے باعثِ عزّت ہے وہ
مومن کے لئے رُوحِ شرافت ہے وہ
مومن ہی کا رہبر نہیں شعرِ اقبال
ہر دل کے لئے نُورِ ہدایت ہے وہ

آزادیِ انساں کی منہاج ہے وہ
اور ہر سرِ خود دار پہ اک تاج ہے وہ
اقبالؔ کا ہر شعر ہے رُوحِ اقبال
بیداریِ جذبات کی معراج ہے وہ

محکوم کو غیرت کا اثر دیتا ہے
کنجشک کو شاہیں کا جگر دیتا ہے
اقبال کا خامہ بھی ہے گنجِ دانش
الفاظ میں حکمت کے گہر دیتا ہے

سوئی ہوئی ملّت کو جگایا اُس نے
اِک حشر تہِ چرخ اُٹھایا اُس نے
اقبالؔ کے پردے میں تھا عیسیٰ گویا
مُردوں کو بھی "قُم!" کہہ کے جلایا اُس نے

کبوتر اور شاہیں

کبوتر

(پنجۂ شاہیں میں گرفتار ہو کر)

کر رحم مری جان پہ کچھ خوفِ خدا کر
کمزور سے زیبا نہیں ہنگامۂ پیکار
مانا کہ ہے تو جملہ پرندوں کا شہنشاہ
پر شاہ رعایا پہ اٹھاتے نہیں تلوار
وہ قتل کبھی پیر نہ بچّے کو کرے گا
کتنا ہی کوئی جنگ میں ہو جابر و قہار

بُوڑھے کی تو کیا بات ہے، دیکھیں جو جواں کو
ہو جاتا ہے آزاد وہ جب ڈال دے ہتھیار
مغلوب ہوں ہیں، عجز سے مانگونگا معافی
پنجے سے مجھے چھوڑ، نہ دے اس قدر آزار
پہنچوں گا جو بچّوں میں تو مَیں دُونگا دُعائیں
دیکھے گا تُو پھر اپنے لئے رزق کے آثار
ہمدردی و شفقت ہے بہادر کی علامت
ابرار ہی اللہ کی رحمت کے ہیں حقدار

شاہیں

(کبوتر کی گردن پر چونچ رکھتے ہوئے)

ہستی ہیں تو ہشیار بھی نادان ہیں اکثر
پر موت بنا دیتی ہے احمق کو بھی عیّار

مت ہم کو سُنا رحم و محبّت کی فضیلت
اِس وعظ سے ہم اور بھی ہو جاتے ہیں خونخوار
شفقت کی جو کرتا ہے طلب ہو کے تو مجبور
پوشیدہ ہیں تجھ سے ابھی تقدیر کے اسرار
غالب ہی کی عظمت کا بجا کرتا ہے ڈنکا
اور ہستیِ مغلوب ہے ہر حال میں لاچار
ہے رحم مرے واسطے مہمل سا تاثّر
میں روزِ ازل ہی سے چلا آتا ہوں جبّار
فطرت ہی میں جس کی نہیں ہمدردی و شفقت
اُمیدِ کرم اُس سے نہ رکھ دہر میں زنہار
یہ ضعف بھی اِک جرم ہے قدرت کی نظر میں
ہے عاجز و کمزور فنا ہونے کا حق دار

معذور ہوں میں اپنی طبیعت کے جنوں سے
رہتی ہے لہو پی کے تر و تازہ یہ منقار
کرتا ہے جو تو عجز سے جینے کی گدائی
ہے خوب تر اس جینے سے مرنا ترا سو بار

(کبوتر کی شاہ رگ کاٹ لیتا ہے)

عبرت

طارق تو اسی چیز میں شاہوں کا چلن دیکھ
محکوم پہ رکھتے ہیں جو بیداد کی تلوار
بلقیس کے الفاظ ہیں اس قول کی تائید
ظالم کی خباثت کا ہے قرآن کو بھی اقرار

عزّت کو فنا کرتے ہیں ذلّت کے عمل سے
آباد ممالک کو وہ کر دیتے ہیں مسمار

سرمایہ و مزدور اسی ذیل میں آئے!
یہ مست ہے فاقوں سے وہ مستِ مئے پندار

گو طاری ہے دونوں ہی پہ بے ہوشی کا عالم
مَے ان کو مگر اور دیئے جاتا ہے خمّار

ظالم بھی ہیں عیّار بھی اربابِ سیاست
اے مردِ فسوں خوردہ ہو اب خواب سے بیدار

ہے جہل ترا اُن کے لئے عیش کا ساماں
خونِ رگِ مزدور سے مے کرتے ہیں تیّار

جینا ہے اگر تجھ کو تو شاہیں کا سا دل لا
نادان! تو بن آپ ہی تقدیر کا معمار

رازِ قناعت

(ایک حدیثِ نبویؐ کا مفہوم)

حرص سے دل پہ ترے طاری ہو جب رنج و ملال
اور ستائے روح کو افلاس و غربت کا خیال
آنکھ اہلِ زر کی خوش حالی میں جب ہو محوِ دید
اور سینے سے بپا ہو نعرۂ "ہل من مزید"
تب تو اپنے سے بھی پس ماندوں پہ کر مسلم نظر
دیکھ اُن کو جو ہیں مال و زر میں تجھ سے خوار تر
پھر حسد کی قید سے یکسر رہا ہو جائے گا
آنکھ پہ تیری عیاں سرِ بقا ہو جائے گا

شُکر کر اور آستانِ حق پہ ہو محوِ نیاز
ہے قناعت اور مسرّت کا یہی دُنیا میں راز

ذبحِ عظیم

عید پھر آئی ہے اس کا خیر مقدم کیجیے
ہے جو حکمت اس کی اُس پر درسِ قرآں لیجیے
آج پھر تازہ ہوئی ہے یادِ ایثارِ خلیل
اور یہ ایثار ہے ایمان کی بیّن دلیل
ذبح بیٹے کو کرے، ہے کوئی ایسا شیرِ نر؟
کون کر سکتا ہے پیدا قلب میں ایسا اثر؟

خواب کی تعمیل سے ہے امتحاں میں کامیاب
پھونک دی مِلّت میں اس اقدام سے رُوحِ شباب

پیکرِ صبر و اطاعت دیکھ اسمٰعیلؑ تھا
کُفر کی ظلمت میں گویا نور کی قندیل تھا

نوجوانوں کے لئے اس دَور میں رہبر ہے وہ
بیشۂ اسلام کا گویا کہ شیرِ نر ہے وہ

اے مسلماں! سیکھ قربانی کو ابرٰہیمؑ سے
گِر کے شعلوں میں بھی تُو نعرے لگا تکبیر کے

رُوحِ ایمانی کی ہے معراج وہ "قلبِ سلیم"
حشر تک زندہ رہے گی سُنّتِ ذبحِ عظیم

قلبِ مومن میں ہے اب تک نام سے اس کے حیات
قُوّتِ توحید سے ہے فرد و ملّت کو ثبات!

آج بھی سمجھے اگر اقوام میں اپنا مقام
ہے صداقت اور شجاعت میں تو دنیا کا امام
ذکرِ ابراہیمؑ سے افزوں تو شانِ عید کر
حسنِ اخلاق و عمل میں سب کو محوِ دید کر

قرآن کا پیغامِ عمل

قلب تیرا حکمتِ قرآں سے ہے گر بہرہ ور
"لَیْسَ لِلْاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" پر کر نظر
آیۂ ہٰذا میں قانونِ عمل ہے بے نقاب
ہر بشر پاتا ہے اپنی سعی و محنت کا ثمر

صرف انساں ہی نہیں پابندِ آئینِ عمل
بلکہ پیرو اس کے ہیں سب انجم و شمس و قمر
جُرأتِ رندانہ تھی اور ارتقا کا ذوق تھا
قطرۂ ناچیز کو جس نے بنا ڈالا گہر!
ہے عمل کے جذبہ سے ثابت بقائے کائنات
بن عمل سارا نظامِ دہر ہو زیر و زبر
قوّتِ تسخیر میں مخفی ہیں ایسے معجزات
خاک کو بھی جو عطا کرتے ہیں دم میں شانِ زر
لیں اگر درسِ عمل ہم سربسر قرآن سے
آج گیدڑ کو بنا سکتا ہے وہ اک شیرِ نر
ہے یہی قرآن جو کہ کے فنا ہر یاس و غم
آدمِ خاکی کو لے جاتا ہے اوجِ عرش پر

گر حیاتِ قوم ہے مطلوب ، ہو محوِ ستیز
ورنہ بستر باندھ اور دُنیا سے کر مُسلم سفر
زندگی کی شرط ہے قرآن میں "جہد و عمل"
بے عمل قوموں کی ہے تقدیر میں فوری اجل

حقائق و معارف

ہر گُل سے آشکار خدا کا جمال ہے
ہر ذرّہ اُس کی وحدت و عظمت پہ دال ہے
باطل کی فوج سے ہے تو مرعوب کس لئے
مستُور تیرے سینہ میں حق کا جلال ہے

جو بندگانِ غیر ہیں، غیروں میں محو ہیں
تیرا جو بندہ ہے اُسے تیرا خیال ہے
بچھڑا جو کُل سے جزو تو اِک اشک بن گیا
قطرے کو ہجرِ بحر کا بے حد ملال ہے
مِلنا ہے آب جُو کو جو آغوشِ بحر میں
موجوں میں دیکھ رقصِ نشاطِ وصال ہے
تیری بَلا سے، دہر میں کتنے ہی حشر ہوں
تیرا غنا بھی تیری طرح بے مثال ہے
زر کی ہوس نے کُفر پہ جینا کیا حرام
اسلامیوں کے واسطے یہ نیک فال ہے
غازی ہے تُو تو رمزِ قناعت نہ کر قبول
یہ فلسفہ نظامِ عمل کا زوال ہے

غیرت نہ بیچ دولتِ قاروں کے عوض
غیرت ہی تیری ہستی کا اوجِ کمال ہے
جائیں بھی جان و مال تو فریاد کس لئے؟
اے بندۂ خدا، یہ اُسی کا تو مال ہے!
دل سے مرے نہ اپنی تجلّی کو رکھ دریغ!
دل کیا ہے، تیرے چہرہ کا عکسِ جمال ہے
انسان بہرِ غلبۂ حق جب کہ ہو شہید
انسان بھی خدا کی طرح لازوال ہے
فطرت کا مُدعا ہے فقط اقتدارِ خیر
شر کا وجود تیرا فریبِ خیال ہے
طارقؔ خوشی جو چاہیئے، خالق سے دل لگا
جو کچھ سوا خدا کے ہے، وجہِ ملال ہے

غنیؔ کا مقامِ خودی

تھا غنیؔ کشمیر کا وہ شاعرِ رنگیں نوا
ایک دُنیا جس کے ہے حُسنِ تکلّم پہ فدا
ذکر و فکرِ حق کی مستی میں مگن رہتا تھا وہ
اور اسی مستی میں شعرِ عطر زا کہتا تھا وہ
غیرت و حکمت میں اُس کی ہمسری ممکن نہیں
جو "خودی" کی پیش اُس نے، وہ خودی ممکن نہیں
گھر میں جب ہوتا تو وہ زنجیر لیتا تھا لگا
اور جب جاتا وہ باہر، چھوڑتا در کو کھُلا

اِس عمل پر دوست اُس کے محوِ حیرت ہو گئے
اہلِ ظاہر بے خبر تھے باطنی اسرار سے
ایک نے آخر کہا "کیا راز ہے اس میں نہاں؟
گھر کھُلا رکھنے کا مقصد کر ذرا ہم پر عیاں!
چور اُچکّے کی شرارت سے تُو کیوں ڈرتا نہیں
غیر حاضر ہو تو گھر کو بند کیوں کرتا نہیں؟"
معترض کی بات سُن کر وہ دیا اُس نے جواب
جس کی حکمت لائے مردِ پیر میں رُوحِ شباب
"ہے مرے گھر میں غنیؔ ہی ایک لعلِ بے بہا!
جب نِکل جائے وہ باہر، قفل کی حاجت ہے کیا؟
چور بہتر مجھ سے کوئی چیز پا سکتا نہیں
جب غنیؔ گھر میں نہ ہو، کچھ بھی چُرا سکتا نہیں

نورِ فطرت کے مقابل راکھ ہے مال و منال
قلبِ مومن میں کیا حق نے عیاں اپنا جمال
گنجِ دِل کی کر حفاظت، گنجِ عالم ہیچ ہے
دیکھ اس ساغر میں خود کو' ساغرِ جم ہیچ ہے!"

حضرتِ عمرؓ کا قبولِ اسلام

بولے عمرؓ دکھا کے یہ اک تیغِ بے نیام
کرتا ہوں آج جا کے محمدؐ کو میں تمام
سارے عرب میں وعظ سے اُس کے فساد ہے
سُن لے جو ایک بار اُسے، بدنہاد ہے

پھر لات اور ہبل کی قسم کھا کے چل دئے
وہ ہیبت و غضب کہ اُڑیں ہوش شیر کے
بولے نعیمؔ راہ میں جاتے کدھر ہیں آپ؟
نیّت ہے آج کیا کہ برنگِ دگر ہیں آپ
کہنے لگے کہ قتل کروں گا نبیؐ کو میں!
گمراہ اب سے ہونے نہ دوں گا کسی کو میں
بولے نعیمؔ گھر کو تو پہلے سنبھالیئے
مسلم ہوئی بہن اُسے اپنا بنائیے
غصّے کی آگ اور بھی یوں مشتعل ہوئی
سب کچھ بھلا کے اپنے محلّے کی راہ لی
دیکھا کہ چھپ کے کوئی ہے قرآن پڑھ رہا
دستک جو در پہ دی تو بہت دیر سے کھلا

پیٹا بہن کو اتنا کہ بِسمل ہی ہو گئی
زخم آئے اس قدر کہ نھی خطرے میں زندگی
بولی وہ ہو کے جذبۂ ایماں سے بیقرار
قرآں ہمارا دل ہے، پڑھیں گے ہزار بار
کر خوب ظُلم و جور جو تیرا خیال ہے
اسلام کو میں چھوڑ دوں، یہ امرِ محال ہے
جُرأت سے اُس کی دب گیا فاروق رضؓ کا جلال
مرعوب ہو کے حق سے بنا شیر بھی شغال!
قرآن خود بھی لے کے وہ پڑھنے لگے وہیں
اور دل میں کُفر و شک کی جگہ آ گیا یقیں
آنکھوں سے اُن کی اشکِ ندامت رواں ہوئے
توحیدِ کردگار کے اب رازداں ہوئے

پھر جا کے اُسی نبیؐ ہی کے قدموں پہ گر پڑے
نکلے تھے جس کے قتل کی نیّت کئے ہوئے
کلمہ پڑھا مشرّفِ اسلام ہو گئے
سرکش بڑے تھے، آ کے یہاں رام ہو گئے
شاہِ عرب بھی آج نبیؐ کا فقیر ہے
صدقِ نبیؐ کے دام میں آخر اسیر ہے
اس واقعہ سے غلبۂ قرآن دیکھ لو!
فاتح ہوا پیمبرِ ایمان دیکھ لو!

ترانۂ ملّی

ہم کُفر کی ہستی کو دُنیا سے مٹا دیں گے
جو شان ہے غازی کی، وہ شان دِکھا دیں گے
مومن پہ اگر کافر حملے کی کرے نیّت
ہم حشر سے پہلے ہی اک حشر اُٹھا دیں گے
مختار کیا ہم کو اللہ نے دُنیا کا
پھر مُردہ دلوں کو ہم پیغامِ بقا دیں گے!
پھر خالدؓ و حیدرؓ کی تسخیر نمایاں ہے
پھر تیغِ علیؓ کے ہم کردار دکھا دیں گے

آزادی و حق گوئی مسلک ہے مسلماں کا
رستے میں جو حائل ہو، ٹھوکر سے اُڑا دینگے
ایمان کی بجلی سے معمور ہے دل اپنا
اس برق سے باطل کا ہر قصر جلا دیں گے
جو خوابِ ہوس میں ہیں جو مست ہیں عشرت میں
تکبیر کے نعروں سے ہم اُن کو جگا دیں گے
دولت کی حقیقت کیا، اولاد کی اُلفت کیا
اسلام کی عظمت پر ہم سر بھی کٹا دیں گے
اِک اسمِ محمدؐ میں ہیبت ہے خدائی کی
اس نام کی طاقت سے دُنیا کو ہلا دیں گے!

حضرتِ علیؓ کا اِخلاص

مرتضیٰ، شیرِ خدا اور جانِ دینِ مصطفیٰ!
وہ کہ جس کی تیغ سے اسلام نے پائی بقا
وہ کہ درویشی میں دائم جس نے کی شاہنشہی
تھی شجاعت کا مرقّع جس کی ساری زندگی
ایک کافر کو گرایا اُس نے رن میں خاک پر
اور بیٹھا جم کے اُس کے سینۂ ناپاک پر
چاہتا تھا یہ کہ کر دے تیغ سے اُس کو تمام
مرگِ باطل سے ہے حق کو دہر میں حاصل قیام

چہرۂ حیدرؓ پہ اس دم تھوک بیٹھا بدخصال
ہو گئی اُس مردِ غازی کی طبیعت پُر ملال

چھوڑ کر کافر کو فوراً اُٹھ گیا شیرِ خدا
پنجۂ شاہیں نے طائر کو کیا گویا رہا!

دیکھ کر یہ فعل کافر محوِ حیرت ہو گیا
اور پوچھا "اس مروّت کا سبب مجھ کو بتا"

گلفشاں حیدرؓ ہوا "یہ جنگ ہے حق کا جہاد
جس کا مقصد ہے مٹانا کفر و باطل کا فساد

حق کی خدمت کے لئے مومن کی ہے موت و حیات
ہے فقط اخلاص سے اخلاقِ ملّت کو ثبات

تُو نے جب تھوکا، غضب میرا بھی شامل ہو گیا
جذبۂ اخلاص کو یہ زہرِ قاتل ہو گیا

کیوں ملائیں خیر میں ہم شر کے زہرِ ناب کو
کیوں کریں برباد یوں اسلام کے آداب کو
پیروی ہے نفس کی مُسلم پہ ہر صورت حرام
ہے فقط اللہ کے ہاتھوں میں مومن کی لگام
سُن کے یہ الفاظ وہ کافر مسلماں ہو گیا
نورِ ایمانی سے دِل اس کا فروزاں ہو گیا
جو یہ کہتے ہیں کہ پھیلا دینِ حق شمشیر سے
دیکھ لیں، اسلام پھیلا قلب کی تسخیر سے

نُورِ یقین

مرجعِ آفات ہے گو اب مسلماں دہر میں
بے نوا ہے پاسبانِ نوعِ انساں دہر میں
زاغ و کرگس گو ہوئے شاہیں سے آ کر پنجہ زن
گو شغالِ کفر بن بیٹھا ہے صدرِ انجمن
گو ستم ہے، سازشیں ہیں، بزدلی ہے، ظلم ہے
جرمِ حق گوئی پہ ہیں مسلم پہ حملے پے بہ پے
یاس لیکن دینِ مومن میں ہوئی مطلق حرام
یاس نے آزاد قوموں کو کیا اکثر غلام

رُوحِ قرآنی کی ہے پیہم صدا "لاتقنطوا!"
ہے یقیں کے نور میں مخفی جہانِ آرزو
جستجو مومن کی ہے لاتقنطوا سے کامیاب
اور اسی کے فیض سے بوڑھوں میں ہے جوشِ شباب
اے مسلماں! یاس ہے جملہ خبائث کی بنا
نااُمیدی جذبۂ سطوت کو کرتی ہے فنا
یاس کا غلبہ ہی گویا کفر ہے الحاد ہے
یاس میں جو بھی ہوا محصور، وہ برباد ہے
برقِ ایماں سے خس و خاشاکِ باطل کو جلا
یاس کے اسباب کو تیغِ شجاعت سے مٹا
اشہبِ ہمّت کو پھر توحید سے مہمیز کر!
دیکھ! وہ منزل نظر آئی، قدم کو تیز کر!

ہر تنِ مُردہ میں پھر رُوحِ یقیں کر دے رواں
چھوڑ کر سارے سہارے خود بنا اپنا جہاں
جذبۂ تسخیر ہو جب سینۂ آزاد میں
عہدِ نصرت ہے نہاں لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادْ میں

واعظینِ بے عمل سے

کان دھر کر سُن لو اُس قرآن کی تلقین کو
جس کے وعظ و درس میں تم روز و شب مصروف ہو
کیوں وہ کہتے ہو کہ جس پر خود عمل کرتے نہیں
بے عمل کے وعظ سے ہوتا ہے حق بھی خشمگیں

دُوسروں کو حکم نیکی اور خود آزاد ہو
نفس کا غلبہ مٹا کر عقل سے کچھ کام لو
بے عمل عالم پہ چسپاں ہو چکا لفظِ حمار
جس پہ لادی ہوں کتابیں اور ہو زار و نزار
جب تلک ہو بے عمل، ہیں وعظ بھی سب بے اثر
سنگ ریزوں کو نہیں کہتا کوئی ہرگز گہر!
ہے اگر خواہش کہ پیدا قوم میں ہو انقلاب
اور آئے جسمِ ملّت میں نئی رُوحِ شباب
وعظ پر اپنے کرو اخلاص سے پہلے عمل
بعد ازاں تقدیرِ ملّت کو بھی دو اُٹھ کر بدل
ظاہر و باطن میں پیدا ہو نہ کوئی اختلاف
دل کا جذبہ چھن کے آجائے زباں پر صاف صاف

فعل ہی خود قول کا بن جائے سچا ترجماں
ہر تاثر سے صداقت اور نجابت ہو عیاں
منتقی تسلیم کرلے جس کو قرآن مجید
ہے کروڑوں ہستیوں سے اُس کی اک ہستی مفید

فرمانِ خدا

(تضمین بر نظم اقبال)

ہر ظالم و جبّار کو دُنیا سے مٹا دو
آتے ہوئے طوفان کا ہیجان دکھا دو
عشاقِ زر و سیم کو پیغامِ فنا دو
"اُٹھو مری دُنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو!

غالب ہوئی اخلاق پہ اب نفس پرستی
سرمایہ نے انصاف کی خو ایسی مٹا دی
مزدور کو ملتا نہیں کچھ توشۂ ہستی
"جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو!"

خود ظلم ہی بن جائے گا فتنوں کا بہانہ
ہونے کو ہے چنگیز کا اب ختم فسانہ
ناداروں میں بٹ جائیگا شاہوں کا خزانہ
"سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ!
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو!"

ہاں پاک کرو سینوں کو مکّاری و کیں سے
کر ڈالو فنا رسمِ ستم روئے زمیں سے
نابود کرو داغِ غلامی کو جبیں سے
"گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو!"

اب واعظ و مُلّا بھی ہیں اغراض کے بندے
مذہب میں ہیں لذّات کے اصنام تراشے
مسجد میں ہیں انداز نمائش کے، ریا کے
"ہیں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سِلوں سے
میرے لئے مٹّی کا حرم اور بنا دو!"

آتے ہیں مریدوں کو وہاں فاقے پہ فاقے
گھر پیر کا معمور ہے عشرت کی فضا سے
اور شیخ و برہمن بھی دیئے جاتے ہیں دھوکے
"حق را بہ سجودے، صنماں را بہ طوافے
بہتر ہے چراغ حرم و دیر بجھا دو!

کچھ لوگ لئے بیٹھے ہیں تبلیغ کے ٹھیکے
گویا کہ انہیں حق نے دیئے دین کے تمغے
اس فخر میں چلتے ہیں سدا کفر کے فتوے
"کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!"

ایمان بھی اس دور میں مغلوبِ گماں ہے
ثابت نہیں کردار سے جو وردِ زباں ہے
سمجھے ہیں جسے سود وُہی وجہِ زیاں ہے
"تہذیبِ نوی کارگہِ شیشہ گراں ہے
آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو

حُسنِ غریب

جل رہی ہے جون کی گرمی سے ساری کائنات
سوز سے خورشید کے خاموش ہے سازِ حیات
ہے ہوا میں دھوپ سے اس درجہ پیدا التہاب
ہو گئی مچھلی بھی سیخِ موج پر گویا کباب

ایسے میں اک دُخترِ دہقاں سڑک پر ہے کھڑی
سر پہ گوبر کے لئے رکھے ہوئے اک ٹوکری
پا برہنہ، سر برہنہ، تن پہ ہے کہنہ لباس
بال گرد آلود، جاں حیران، چہرہ غرقِ یاس
چشم بھی بے نُور ہے تاریکیِ ایّام سے
رنج و حسرت ہے نمایاں اس کے ہر ہر گام سے
حُسن کی یہ شان، دُنیا ہی میں گویا حُور ہے
جو کسی جنّت کی فرقت میں یہاں رنجور ہے
ہو اسی سے چارہ دل کو دُور اگر فکرِ معاش
اور کرے روزی نہ اپنی ایسی حالت میں تلاش
پھر نہا دھو کر جو اپنے رُخ کی زیبائش کرے
اور کپڑوں سے ذرا اس تن کی آرائش کرے

تتلیاں ہر شہر کی ہو جائیں اس سے شرمسار
اور پریاں ہوں کلب کی بے جمال و بے وقار
الغرض، ایندھن کو ہے گوبر مہیا کر رہی
ان بہانوں سے بسر ہوتی ہے اس کی زندگی
آتی جاتی لاریوں سے جان گو خطرے میں ہے
شکم غربت سے مگر استادہ یہ رستے میں ہے
ناگہاں موٹر میں ہوتا ہے جو وارد اک امیر
کثرتِ زر نے کیا ہے جس کی فطرت کو شریر
لے پہ لے سیٹی بجاتا ہے وہ اس کو دیکھ کر
ڈوب جاتی ہے ہوس کے رنگ میں ہر ہر نظر
پھبتی ہے وانت یہ، وہ ہے لگاتا قہقہا
اور اُڑاتا ہے مذاق اس کے غمِ افلاس کا

"اے پری!" بولا "ترا حاصل ہو گر مجھ کو وصال
عمر بھر کے واسطے میں تجھ کو کر دونگا نہال!"
دیکھ اس منظر میں تُو تہذیبِ حاضر کا مقام
کیا تغیّر کے نہیں قابل یہ بوسیدہ نظام؟

پردہ

درگہِ آقاؐ پہ سائل نے کیا آکر سوال
علقمہ تھا نام اُس کا اور تھا فاقوں سے نڈھال
عائشہ نے از رہِ شفقت لیا اندر بلا
اور حاضر تھا جو کھانا سامنے اُس کے رکھا

گھر کے اندر اس گھڑی تشریف لے آئے رسولؐ
غیر محرم کو جو دیکھا، ہو گئے بے حد ملول
عائشہؓ نے جونہی دیکھے اُن پہ آثارِ غضب
اُس پہ روشن ہو گیا غیظِ پیمبرؐ کا سبب
اُس نے گھبرا کر کہا یہ بھوک سے لاچار تھا
اور نابینا بھی تھا، میں نے لیا اندر بلا
"یہ تو نابینا ہے بیشک تُو مگر اندھی نہیں!"
رہبرِ صادقؐ یہ بولے اور ہو کر خشمگیں
"مکر و عیاری ہے شیطاں کی ابھی تجھ سے نہاں
مثلِ خوں رہتا ہے وہ ہر جسمِ انساں میں رواں
وسوسے سے نفس کے ہرگز نہیں کوئی بری
کر ہی سکتا ہے خطا گاہے، اگرچہ ہو ولی

غیر محرم کوئی بھی ہو، اُس سے پردا چاہئے
جَلوت و خَلوت میں چہرے کو چھپایا چاہئے"

کون کر سکتا ہے ارشادِ نبیؐ سے انحراف؟
حُکمِ پردہ اس سے ثابت ہو چکا ہے صاف صاف

جو کریگا سرکشی، ایمان سے محروم ہے!
قلب اُس کا اتباعِ نفس سے مسموم ہے

مردِ غیرت مند تو پردے کا حامی ہے ضرور
اس سے نفرت اُن کو ہے، جو ہیں خدا سے بھی نفور

عائشہؓ بیشک ہے مائی حضرت کی اُمت کے لئے
اور عمل اُس کا نمونہ ہے اُمومت کے لئے

اُس سے باغی ہو نہیں سکتی کبھی عقلِ سلیم
اور اگر ہو بھی تو سمجھو، علم و دانش ہے سقیم

دیکھ اے خاتونِ حاضر غور سے اپنا مقام
تیری غیرت سے ہے وابستہ مسلماں کا دوام
بے نقابی سے تُو اپنی صنف کو رُسوا نہ کر
قلبِ ہر پروانہ میں اپنی ہوس پیدا نہ کر
اِس ہوس کے ہیں نتائج بالیقیں اندوہناک
مسندِ ابلیس بن جاتی ہے آخر رُوحِ پاک!
حسبِ قرآں پردہ ہے عصمت کا تیری پاسباں
عزّت و عظمت بھی عورت کی ہے پردے میں نہاں

دعوتِ قرآن

اُٹھ رہی ہے چہرۂ فطرت سے باطل کی نقاب
کر رہی ہے رُوحِ قرآں مردِ مومن سے خطاب

غور سے سُن لو زبانِ حق میں قرآں کا پیام
ہے یہی تلقینِ ملت کے لئے رازِ دوام

اے مسلماں! مجھ میں ہیں حکمت کے گنجینے نہاں
ہے اطاعت میں مری رمزِ حیاتِ جاوداں

میں ہوں دستورِ ہدیٰ پرہیزگاروں کے لئے
ضامنِ عزت تو ہوں پر نیکوکاروں کے لئے

میرے ہر ہر لفظ میں مخفی ہے رحمت اور شفا
غرق مجھ میں جو ہُوا، پائی ہمیشہ کی بقا
ذکر میرا صحت و قوت ہے دِل کے واسطے
نور ریزداں ہوں جہانِ آب و گِل کے واسطے
میں سکھاتا ہوں تجھے حُسنِ عمل، "خُلقِ عظیم"
ہاں، فقط میں ہی دکھاتا ہوں صراطِ مستقیم
مجھ میں کوئی چیز بھی مُبہم نہیں، مشکل نہیں
محو کر کے یاس و غم، دیتا ہوں ایمان و یقیں
حکم پر میرے عمل کرنا ہے رفعت کی دلیل
اور مجھ کو چھوڑ دینا کفر و ذلّت کی دلیل
مجھ کو پڑھنے اور پڑھانے میں جو سرگرداں ہے
حسبِ ارشادِ نبیؐ وہ بہترین انساں ہے

فہم و دانش، جذب و قوت، حکم و عزت، رزق و مال
سب کے سب میرے اثر سے ہیں جہاں میں لازوال
درس ہو اخلاق کا یا رُوح کی تادیب ہو
اقتصادی گفتگو ہو، نظم ہو، تہذیب ہو
ہو عروجِ قوم کے دستور کی جب جستجو
انقلابِ جسم و رُوح و ملک کی ہو آرزو
میری شمعِ نورِ یزدانی کے پروانے بنو
اور اسی دیوانگی میں حق کے فرزانے بنو
حیف ہے صد حیف ہے مومن ہو مجھ سے بیوفا
یہ جواہر چھوڑ کر یورپ کے در پر ہو گدا
کانٹ، ہیگل، برگساں ہیں قلب پر تیرے سوار
برکلے، نٹشے، ارسطو پر ہے تُو ہر دم نثار

جو ہیں خود گمراہ اُن کا ہو رہا ہے تُو مُرید
اس ضلالت میں ہُوا ہے رُوحِ قرآں سے بعید
فلسفہ کے سحر سے ایماں کو مت برباد کر
علمِ قرآں سیکھ، اس سے دل کو اپنے شاد کر
دین و دُنیا کی سعادت ہے نہاں قرآن میں
بستر عظمت رازِ قوّت ہے نہاں قرآن میں
علم ہو کتنا ہی، گر قرآن سے جاہل ہے تُو
جاہلِ مطلق ہے تُو، صُورت گرِ باطل ہے تُو
میں نے ہی پیدا کئے ہیں بوبکرؓ عثمانؓ عمرؓ
حیدرؓ و خالدؓ بھی ہیں میرے ہی دریا کے گُہر
میری برکت سے ہوئے بدوی بھی دُنیا کے امام
میں نے بخشا ہے فقیروں کو بھی شاہی کا مقام

فرقہ بندی سے ہوئی برباد مُسلم کی خودی
تھام حبل اللہ کو، اس میں ہے قومی زندگی
علم قرآنی سے دُنیا کی نئی تعمیر کر!
قُوّتِ اخلاق سے ہر قلب کو تسخیر کر!
ورنہ باغی بھی رہے گر مجھ سے انساں کا دماغ
بُجھ نہیں سکتا کبھی پھونکوں سے قرآں کا چراغ

نوائے سروش

جو ہو خدا سے بے خبر موت ہے زندگی نہیں
دین میں قید ہے بشر، دین سے وہ بری نہیں
جس میں ہوس کا ہو عمل، اور غرض کی ہو نماز
وحدتِ ذات کی قسم کفر ہے بندگی نہیں
رنگ و شباب پر مٹے جس کا جنونِ آرزو
کھیل ہے وہ حباب کا جذبۂ عاشقی نہیں
جس کی حیات و موت ہو قبضۂ دستِ کفر میں
تودۂ خاک ہے فقط، مرد کی زندگی نہیں

دردو ملالِ قوم سے جس کا نہ خون ہو جگر
بُت وہ صنم کدے کا ہے، سنگ ہے، آدمی نہیں
خائفِ خلق جو رہے، لب پہ ہو جس کے ہائے ہائے
مُنکرِ حُسنِ ذات ہے، اُس کی خودی خودی نہیں
اُمتِ خیرِ مُرسلیں کشمکشِ حیات میں
گِر کے اُٹھی ہے بارہا، کُفر سے پر مٹی نہیں
زر کو نہ تُو خدا بنا، دینِ خدا کا مُدّعا
قلب و نظر کی ہے بقا، پیشۂ زرگری نہیں
عشقِ نیاز مند کی رُوح رواں ہے قاہری
غلبہ و قہر سے تہی، سحر ہے دلبری نہیں

تیغ اور قرآن

دستِ مومن میں نہ جب تک قوّتِ شمشیر ہو
دین میں بھی آ نہیں سکتا کوئی ہرگز جلال

ساز و ساماں بھی مکمّل چاہیئے بہرِ دفاع
ورنہ طاری قوم پر ہو جائے گا فوری زوال

ہو جہاں تسبیح واں ہیں لازمی توپ و تفنگ
ہے جہاد اور ذکرِ حق میں روحِ ملّت کا کمال

تیغ اور قرآں ہر دو لازم و ملزوم ہیں!
بار آور ہے انہیں کی نم سے فطرت کا نہال

جو سمجھ بیٹھے ہیں مذہب کو سیاست سے جُدا
عقل ہے گمراہ اُن کی، خام ہے اُن کا خیال

چاند اور ستارے

مہر و مہ سے بھی فزوں ہے اسمِ احمدؐ کی ضیاء
ہے یہی وہ چاند جس نے چاند کو بھی شق کیا
حق نے فرمایا ہے قرآں میں اُسے "روشن چراغ"
ہو گیا جس سے منور قوم کا قلب و دماغ
وہ شفیع المذنبین، وہ منبعِ نورِ یقیں
قیصر و کسریٰ نے رکھ دی جس کی چوکھٹ پر جبیں

صاحبِ معراج اور مقصودِ حرفِ کُن فکاں
ایک لمحے میں کیے طے جس نے ساتوں آسماں
اِک تجلّی سے ہُوا بے ہوش سینا پر کلیمؑ
اور محمدؐ عرش پر ہے ذاتِ باری کا ندیم
ہر دو عالم کے لیے رحمت ہُوا اُس کا وجُود
خود خدا اور سب فرشتے اُس پہ پڑھتے ہیں دُرُود
اس قدر تھا عام اُس کا جذبۂ لطف و کرم
دُشمنوں پر بھی روا رکھا نہ کچھ جور و ستم
چاند نے تارے بھی پھر روشن کیے اس شان سے
دہر ہے مرعُوب جن کی سطوتِ ایمان سے
حضرتِ صدّیقِ اکبر حاملِ صدق و سخا
عاشقِ شمعِ نبیؐ رُوحِ یقیں، جانِ وفا

اور عمرؓ ہے عدل و حق گوئی میں یکتائے زماں
کُفر و باطل کا مٹایا جس نے دُنیا سے نشاں
اور عثمانؓ جو غنا اور شرم میں ہے بے عدیل
ہر تاثر جس کا ہے ایثار و غیرت کی دلیل
اور علیؓ خیبر شکن، نورِ ہدیٰ شیرِ خدا
جس کی جُرأت سے ہوئی اسلام کو حاصل بقا
ہے انہیں کی اقتدا دُنیا میں دستورِ حیات
اور ان کے عشق میں ہے فرد و ملّت کی نجات
اے مسلماں! مُصطفےٰؐ تجھ کو اگر محبوب ہے
زندگی عزّت کی دُنیا میں اگر مطلوب ہے
کر پیمبرؐ اور صحابہ کے عمل کی پیروی
دین و دُنیا میں ہے اصلِ قوّت و عظمت یہی

تضمین بر غزلِ اقبالؒ

رحمت نے مٹا ڈالا دستورِ عتاب آخر
غفّار کا ہوتا ہے عاصی سے خطاب آخر
معمورِ ترنّم ہے خاموش رباب آخر
افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر اُٹھتے ہیں حجاب آخر

پروانہ کی فطرت میں اِک سوز ازل سے تھا
دِل درد سے بھر آیا، اور شمع پہ جا لپکا
اُلفت میں فنا ہو کر ہستی کا مزا پایا
احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا
سوز و تب و تاب اوّل، سوز و تب و تاب آخر

کیا جانے تُو اے غافل تعمیرِ اُمم کیا ہے؟
جنگاہ میں دُنیا کی تسخیرِ اُمم کیا ہے؟
تعظیمِ اُمم کیا ہے؟ تحقیرِ اُمم کیا ہے؟
میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر!

کس چشمِ فسوں گر نے طوفان یہ پالے ہیں
کس پیرِ مغاں نے یہ پیمانے اُچھالے ہیں
ہر رند کے ہونٹوں پر فریاد ہے نالے ہیں
میخانۂ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرُورِ اوّل، دیتے ہیں شراب آخر

ہے شوقِ ہوس کاری انصاف کی مستوری
ہر آمرِ قاہر کا انجام ہے مجبوری
اللہ سے دوری ہے ناکامی و رنجوری
کیا دبدبۂ نادر کیا شوکتِ تیموری
ہو جاتے ہیں سب دفتر غرقِ مئے ناب آخر

مُدّت سے ہیں جلوے کو بے تاب تماشائی
عالم پہ نمایاں کر ایمان کی زیبائی
پابندِ مکاں کیوں ہے، کر عشق کو ہرجائی
خُلوت کی گھڑی گزری جَلوت کی گھڑی آئی
چھُٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر

اندازہ کراؤں کیا جذباتِ نہانی کا
خامہ پہ مرے اس دم عالم ہے جوانی کا
اور جوشِ تخیّل میں دریا کی روانی کا
تھا ضبط بہت مشکل اِس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

مقبرۂ جہانگیر پر

شہدرہ میں اس مزارِ شاہ کی تعمیر دیکھ
ایک مُسرف قوم کے اسراف کی تصویر دیکھ

یہ جمالِ سنگِ مرمر اور یہ محراب و در
دیکھئے جس چیز کو بھی، خیرہ ہوتی ہے نظر!
صَرف اِس کی شان پر دَولت ہُوئی ہے کس قدر
ہم غریبوں کے تصوّر کو ہے اس کی کیا خبر!
لاش پر اپنی بنائی ہے کسی نے یادگار
اِس بہانے سے کیا ہے "خاکِ تن" کو پائدار

زورِ دولت سے کسی نے موت کو دی ہے شکست
اپنی صنّاعی عیاں کرتی ہے عقلِ بُت پرست!
تُو اسی اک قبر پر ہے قلبِ مضطر سوگوار؟
بے خبر! ایسی ہوس کے ہیں نمونے بےشمار!
تاج کی مانند کافی اس زمیں پر ہیں محل
گو "محل" ہیں، اُن پہ چھایا ہے مگر رنگِ اجل
ان کی گُل کاری کسی کے خون کی مرہون ہے
ان کی بنیادوں میں پنہاں مُفلسوں کا خون ہے
ان کی شوکت کا سبب تھا قوم کا باج و خراج
صدقۂ محنت سے پورے ہو رہے تھے یہ رواج
پے بہ پے فاقوں سے تھے مزدور بھی جب مر رہے
جسمِ مُردہ پر بنائے شاہ نے عشرت کدے

دولتِ قاروں سے رنجِ موت کو تسکین دی
جب خزانے لُٹ چکے، اُس نے عدم کی راہ لی
گر یہی زر وقف ہو جاتا یتامیٰ کے لئے
کوئی سامانِ سکوں ہوتا ایاٰمیٰ کے لئے
یا جو ہوتیں درس گاہیں معنیٔ قرآن کی
آج تک تجدید ہوتی قوّتِ ایمان کی
دست کاری کے مراکز، فکر و تدبیرِ جہاد!
کوئی مصرف، جس میں ہوتا مُلک و مِلّت کا مفاد!
یا کوئی خدمت بجا لاتے رفاہِ عام کی!
تا قیامت کیا نہ ہوتی یاد اُن کے نام کی؟
خشت و گل کی یادگاریں ہیں سراسر رائگاں!
صرف "خدمت" ہی بناتی ہے بشر کو جاوداں!

رُوحِ انساں ہے "اخوت" کے عمل سے لازوال
تا قیامت مٹ نہیں سکتا محبت کا جلال!

بہر عامل باعثِ ذلّت ہے سامانِ ریا
سب ہیں فانی، ہے فقط اخلاص کو حاصل بقا

خاموش چیزوں کی موسیقی

کاروانِ نکہتِ گُل کے خرامِ ناز میں
اور ہوا کے ہلکے ہلکے نرم رَو انداز میں

صبح کو سبزے پہ شبنم کی اداکاری میں ہے
پھول میں کانٹے میں سورج کی ضیاباری میں ہے

حُسن کی نیچی نگاہوں کے خفی اسرار میں
آرزوئے عشق کی مبہم سی اِک تکرار میں
قلبِ محزون ولبِ خاموش کی حسرت میں ہے
اُلفتِ ناکام کی موہوم سی بہجت میں ہے
ہجر کی وحشت فزا راتوں کی تنہائی میں ہے
پیکرِ محبوب کی دِل دوز رعنائی میں ہے
چشمِ بیمار ولبِ لعلیں کے حرفِ شوق میں
شمع کے گریہ میں، پروانہ کے حُسنِ ذوق میں
مُسکراہٹ میں بھی ہے، جب اُس میں ہو لُطف و رضا
آرزو کو زندہ کر دے، حسرتوں کو دے مِٹا
کرمکِ شب تاب کے برق آفریں جلوے میں ہے
شاخِ بار آور کے اور ہر پھول کے سجدے میں ہے

سینۂ دوشیزہ میں، ساون کی جب چھائے گھٹا
اور ستائے ہر گھڑی محبوب کا عہدِ وفا
دل میں شوقِ فتنہ زا کی ہر گھڑی اِک ہوک ہو
چار سُو پیڑوں میں کوئل کی مُسلسل کُوک ہو
چاند کی تنویر میں، انجم کی خاموشی میں ہے
کہکشاں کی مبہم و پوشیدہ سرگوشی میں ہے
ارتعاشِ رُوح میں جب حُسن سے مسحور ہو
یا جسد کو چھوڑ جانے کے لئے مجبور ہو
نکہت و رنگِ تصوّر میں سدا بیدار ہے
خَلوت و جَلوت کے ہر لمحے میں جلوہ بار ہے
ایک ایسی نغمہ پردازی کہ جس کے سوز سے
جس کے جاں افزا اثروں کے ذوقِ دردآموز سے

ہے مرے احساس کو حاصل نشاطِ جاوداں
رُوح کے قبضے میں پاتا ہوں نظامِ دو جہاں
کائناتِ شعر کے احساس میں آباد ہوں
دہر کی ہر کشمکش سے ہر طرح آزاد ہوں
دین و دُنیا میں کوئی زحمت نہیں کُلفت نہیں
خلق سے اُلفت تو ہے پر جذبۂ نفرت نہیں
گوشِ عارف کے لئے یہ کس قدر فیضان ہے
ریگ کے ذرّوں میں بھی نغمات کا طوفان ہے
نغمہ کی ہر لے مجھے دیتی ہے رحمت کا پیام
اور اسی کے سوز میں ہے رُوح کا رازِ دوام
شاعرِ رقّت نوا جبریل کا دمساز ہے
اُس کا ہر ہر شعر ازل کا غیر فانی راز ہے

اِسلام اور جاگیرداری

جو نکالے دین سے جاگیرداری کا جواز
ہے ابھی حق و صداقت سے وہ مطلق بے نیاز
یہ تخیّل دینِ فطرت پر ہے اِک ظلم عظیم
یہ نہیں اسلام کی ہرگز صراطِ مستقیم
دین ہو، اخلاق ہوں، تہذیب ہو، انصاف ہو
کوئی بھی جائز نہیں رکھتا ہے اس آئین کو
درحقیقت "مِلک" ہے اللہ کی ساری زمیں
یہ زمیں انسان کی جاگیر ہو سکتی نہیں

آیۂ قرآں بھی کہتی ہے، یہ ہے تیری "متاعؑ"
"ملکیت" کو حرصِ آدم نے کیا ہے اختراع
اور ہے "اَلْعَفْوَ" بھی جاگیرداری کے خلاف
بیخ سے اس نے اُکھیڑا یہ تصوّر صاف صاف
جو ضرورت سے ہو زائد، حق ہے وہ مسکین کا
بانٹ دو مخلوق میں انصاف سے ارضِ خدا
یہ زمیں ہے ملکِ حق اور ہم فقط اس کے امیں
"ملک" یا "جاگیر" کا انساں کو حق حاصل نہیں
سینکڑوں گاؤں کا مالک ہے وہ اِک مردِ خسیس
فاقۂ مزدور نے جس کو بنا ڈالا "رئیس"
خونِ دہقاں سے بنا کرتی ہے خواجہ کی شراب
ہر گھڑی نذرِ ہوس ہوتا ہے اِک تازہ شباب

دیکھئے جاگیر کی تاریخ تو ملتا ہے کیا؟
غصب، غداری، ستم، ملّت کُشی، حرص و ہوا
رُوحِ اسلامی یہ کہتی ہے کہ جاگیریں حرام
چھین لو یہ فسق و بدکاری کے گنجینے تمام
پھر انہیں تقسیم کردو اک معاشی نظم سے
تا زمیں سے جلد تر ہر رسم قارُونی مٹے
اس زمیں کے واسطے پیدا نہ ہو کوئی فساد
مشترک ہر چیز میں ہو نوعِ انساں کا مفاد
مقصدِ اسلام تو خوش حالیِ مسکین ہے
"خدمتِ مسکین" ہی اس دین کا آئین ہے

اقبال کا مفہومِ خودی

[illegible]

"خودشناسی" ہے حقیقت میں خودی کا منتہا
اور اسی عرفان میں ہے رُوحِ مومن کی بقا
جب تلک سمجھیں نہ ہم انسان کا اصلی مقام
آشکارا ہم پہ ہو سکتا نہیں رازِ دوام
گر پہنچنا ہے خدا تک نفس کو پہچان لو
عظمتِ خالق کی خاطر اپنی عظمت جان لو
جب فنا ہوتا ہے غیروں کی پرستش کا حجاب
خود بخود حُسنِ ازل ہوتا ہے ہم پر بے نقاب
خودشناسی رُوحِ ہستی، خودشناسی ذکرِ حق
خودشناسی وصلِ خالق خودشناسی فکرِ حق
کرتی ہے واصل "خودی" انسان کو اللہ سے
اور خودی ہی چاک کر دیتی ہے پردے کبر کے

خودشناسی کا اثر تجدیدِ پیمانِ ازل
خودشناسی ارتقائے ذوقِ تسخیر و عمل
ہے اگر "اسلام" پیشِ حق اطاعت ہی کا نام
یہ خودی ہے طاعتِ کامل کا مومن کو پیام
پس خودی اقبالؔ کی ایمان کی تفسیر ہے
اس کا مقصد فطرتِ انسان کی تعمیر ہے!

ترانۂ مُجاہدین

بڑھے چلو مجاہدو! بڑھے چلو مجاہدو!!
جہاں سے شر کا ہر اثر فنا کرو، فنا کرو
دَورِ خزاں چلا گیا
وقتِ بہار آ گیا!
حق بھی جہاں پہ چھا گیا
نُورِ ازل لٹا گیا

بڑھے چلو مجاہدو! بڑھے چلو مجاہدو!!
جہاں سے شر کا ہر اثر فنا کرو، فنا کرو!
ظُلمتِ شب فنا ہوئی
قوم کو پھر بقا ملی
زندہ یقیں سے ہے خودی
عزم و عمل ہے زندگی

بڑھے چلو مجاہدو! بڑھے چلو مجاہدو!!
جہاں سے شر کا ہر اثر فنا کرو، فنا کرو!
غازیِ مُلک و دیں ہیں ہم
محو کریں گے ہر ستم
فتح کے بعد لیں گے دم
کچھ بھی نہیں ہے رنج و غم

بڑھے چلو مجاہدو ! بڑھے چلو مجاہدو !!
جہاں سے شر کا ہر اثر فنا کرو، فنا کرو !

تیز قدم بڑھے چلو
ختم کرو غنیم کو !
مثلِ حسینؑ جان دو
نامِ نبیؐ پہ مر مٹو

بڑھے چلو مجاہدو ! بڑھے چلو مجاہدو !!
جہاں سے شر کا ہر اثر فنا کرو، فنا کرو !

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِل

اے مسلماں! آج پھر غلبہ تجھے حاصل ہوا
حق ہوا ظاہر تو باطل کا فسوں باطل ہوا
پھر ہوئی بیدار ملّت صورِ اسرافیل سے
دہر روشن ہو گیا ایمان کی قندیل سے
نعرۂ تکبیر سے پھر گونج اُٹھے شش جہات
بعدِ مُدّت قلب میں پیدا ہے پھر عزمِ حیات
شیر جو سویا ہوا تھا، آج پھر بیدار ہے
لشکرِ باطل پہ حملے کے لئے تیار ہے

کارواں کے دِل میں پھر پیدا ہے احساسِ زیاں
اس لئے ہر لمحہ آگے بڑھ رہا ہے کارواں
اِتّحادِ ملّتِ بیضا کے پھر ساماں ہیں!
کُفر کے بندے جو تھے، اب مائلِ ایماں ہیں
غیرت و تسخیر میں مُسلم کا ہے پھر امتحاں
آتشِ نمرود پھر ہونے لگی ہے گلُستاں
مل کے پھر "رسّی خدا کی" تھام لی تسلیم نے
کُفر کو نیچا دکھایا قومِ ابراہیمؑ نے
فرد پھر ملّت میں ہے اور ذرّہ پھر صحرا میں ہے
جزو پھر کل سے ملا اور موج پھر دریا میں ہے
اجتماعی قوّتوں کی پھر نمایاں ہے بہار
چہرہ، ہستی پہ پھر آتا ہے اک تازہ نکھار

عظمت و شوکت کے پھر مخفی خزانے مل گئے
قصرِ استبداد کے جتنے ستوں تھے ہل گئے
گر یہی غیرت رہی اُلفت رہی ہمّت رہی
چھا کے عالم پر رہے گی پھر مسلماں کی خودی

اُسوۂ ابراہیمؑ

وہ کہ حکمِ حق پہ تھے قربان جس کے قلب و جاں
وہ کہ جس کے عشق نے آتش بنائی گلستاں
نعرۂ مستانہ جس کا لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنْ
جو ہوا توحید کا قول و عمل سے پاسباں

جس کی فطرت گودِ کی ہیں دشمنِ اصنام تھی
جو تھا اسرارِ الٰہی کا ازل سے رازداں
چھوڑ آیا تھا جو صحراؤں ہیں سب اہل و عیال
شانِ ایمان و یقیں جس کے توکّل سے عیاں
گردنِ فرزند پر بھی پھیر دی جس نے چھُری
عزم جس کا "جَاہِدُوا" کا بہتریں تھا ترجماں
جس نے کعبہ کو بنایا بحرِ انوارِ یقیں
جس نے دُنیا سے ہٹائی ظُلمتِ وہم و گماں
تھا جو گردابِ حوادث ہیں بھی محوِ ذکرِ حق
جو رہا حمدِ الٰہی سے سدا رطب اللّساں
مُسلمِ غافل! اُسی کی پیروی ہیں ہے نجات
ہے خلیل اللہ سے ہی سطوتِ ایماں عیاں

آج بھی پیرو اگر ہو جائے ابراہیمؑ کا
ہند کیا ہے، ہو ترے زیرِ نگیں سارا جہاں
خرمنِ کفّار کو پھر برقِ ایمانی سے پھونک
لشکرِ باطل اڑے گا دہر سے مثلِ دخاںؔ
عشقِ حق میں غرق ہو جا سر بسر مثلِ خلیلؑ
ہے یہی دنیا و دیں میں سرفرازی کی دلیل

غدّارِ قوم سے

ہے اگر کافر تو پھر تجھ سے نہیں کچھ گفتگو
مسخ تجھ میں ہو چکی ہے فطرتِ صالح کی خو

ہے اگر دل میں ترے اِک ذرّہ حُبِّ مصطفےٰؐ
حامیِ قرآں ہے اور قائل ہے حشر و نشر کا
دیکھ غیرت سے ذرا عزمِ محمدؐ کا عمل
اور اسی کی روشنی میں اپنی سیرت کو بدل
پیشِ احمدؐ آئے اِک دن مقتدایانِ عرب
منحرف اسلام سے کرنے کی چیزیں لائے سب
وہ لگے کہنے کہ حاضر ہیں ہماری لڑکیاں
آپ چُن چُن کر بنائیں اُن کو اپنی بیویاں
اور اگر مطلوب راحت کے لئے ہے جاہ و مال
ایک لمحے میں کریں ہم کثرتِ زر سے نہال
اور اگر ہو منصب و عظمت کی دل میں آرزو
شوقِ حکم و سروری میں ہوں جو گرمِ جستجو

ہم سبھی سردار بن جائیں گے حضرت کے غلام
آپ کو مانیں گے بے چون وچرا اپنا امام

پیمبرؐ صادق

ہے مگر اس پیشکش سے آپ کا کیا مُدّعا؟
اِس کرم کی چاہتے ہیں آپ مجھ سے کچھ جزا؟

کُفّارِ عرب

جی، فقط اتنی کریں گے آپ سے، ہم التجا
دین و آئین کو ہمارے مت کہیں حضرت بُرا
دیوتاؤں کی ہمارے اب مذمّت چھوڑ دیں
برسرِ عام اُن سے یہ اعلانِ نفرت چھوڑ دیں

ختم کر دیں شرک اور توحید کی بحث و جدال
اس سے پیدا ہے ہمارے درمیاں بُغض و ملال
مت کریں توہین دین و مسلکِ اجداد کی
اور گزاریں آپ بھی عیش و سکوں سے زندگی

پیمبرِ صادق

زر، زمیں، زن کی تمہارے پاس گو افراط ہے
چاہتے ہو جس کو، دے سکتے ہو تم ہر ایک شے
عہدہ و منصب سے بھی کرتے ہو پیدا تم کشش
اس سخا سے تا بدل دو اہلِ ایماں کی روش
میرے مسلک کو مگر کوئی بدل سکتا نہیں
بے بہا و غیر فانی ہے مرا عزم و یقیں

دہر میں تبلیغِ حق ہی بس مری تقدیر ہے
قلبِ حق آگہ مرا ناقابلِ تسخیر ہے
چاند کو گر لا رکھو تم میرے دائیں ہاتھ پر
اور سورج کو اُتارو میرے بائیں ہاتھ پر
پھر بھی مَیں اعلانِ حق سے باز آ سکتا نہیں
نقشِ ایماں کو کوئی دل سے مٹا سکتا نہیں

دیکھ اے غدّارِ ملّت شانِ ایمانِ رسُول
کوئی بھی تحفہ کیا تھا کُفر کا اُس نے قبول؟
فرض پر غالب نہ آئی دہر کی کوئی ہوس؟
نفس کی طاعت سے تھا آزاد اُس کا ہر نفس
تُو اگر ہے اُمّتی، ہو ایسی غیرت کا امیں
آستانِ کُفر پر ہرگز نہ رکھ اپنی جبیں!

گنجِ دو عالم بھی ناداں قیمتِ ایماں نہیں
جو خودی کو بیچ دے، واللہ وہ انساں نہیں

آدمی کی قدر ہے بس غیرتِ ایمان سے
یہ صفت جس میں نہیں، بدتر ہے وہ حیوان سے

اشرف المخلوق میں کچھ تو شرافت چاہیئے
حُسنِ سیرت چاہیئے، ذوقِ صداقت چاہیئے

الغرض حسبِ عقیدہ ہے اگر تیرا خُدا
دُکھ ہو یا سُکھ، قوم و ملّت سے سدا رہ باوفا

کُفر کی ترغیب پر مت بیچ تُو اپنی خودی
غیرتِ ملّی نہ ہو تو موت ہے یہ زندگی

خادمِ ملّت پہ کُھل جاتے ہیں سب رحمت کے باب
تجھ کو دے سکتا ہے وہ رزّاق رزقِ بے حساب

کیا نہیں چُومے تھے زر نے خود محمدؐ کے قدم؟
کیا غنیمت میں نہیں آئے تھے سب جاہ و حشم؟
کیا نہیں تسلیم کی دُنیا نے اس کی سروری؟
سامنے اُس کے نہیں کیا گردنِ قیصر جُھکی؟
جو خدا کا ہو رہے، رہتا ہے دائم بے نیاز
کر نہیں سکتی اُسے گمراہ کوئی حرص و آز

جگنو اور پروانہ

پروانہ

کیسی خاموش و سکوں دوست ہے تیری فطرت
چشمِ بے کیف نے دیکھی نہ جنوں کی رفعت
محفلِ حُسن میں تُو شوق سے آتا ہی نہیں
شعلۂ عشق تجھے دہر میں بھاتا ہی نہیں
تیری پرواز کا محور ہے فقط صحنِ چمن
رہ کے بیگانہ بھی تُو اُس کو سمجھتا ہے وطن

گھاس کے سر دبچھونے پہ ہوا ایسا فدا
سوزِ باطن کا اثر ہو نہ سکا تجھ سے ہپا
ایک میں ہوں کہ دل و جان کو کرتا ہوں نثار
بزمِ ہستی نے مرے عشق سے پایا ہے وقار
شمع کے گرد میں رہتا ہوں وفا سے رقصاں
ہو کے قرباں اُسے کر دیتا ہوں آخر نالاں
میری جُراُت کا ہر اک پیر و جواں ہے قائل
ہے پتنگوں میں مجھے خاص فضیلت حاصل
سوز سے عشق کے محروم ہے فطرت تیری
حُسن سے دُور رہی حیف محبّت تیری

جگنو

ڈینگ مت مار، محبت کا ہے سودا تجھ کو
غیر کے عشق نے کر رکھا ہے رسوا تجھ کو
اپنی ہی آگ میں جلنا ہے بلندی کا نشاں
خود شناسی میں ہے فطرت کا تجمل پنہاں
شمع بھی آپ ہوں میں آپ ہی پروانہ ہوں
حسن باطن پہ مٹا جاتا ہوں، دیوانہ ہوں!
خود ہی میں قیس ہوں خود لیلیٰ محمل بھی ہوں
خود ہی میں کشت ہوں خود کشت کا حاصل بھی ہوں
میں کسی اور ستم کیش سے مجبور نہیں
منبع حسن ہوں میں حسن سے مہجور نہیں

میں نے دل محفلِ قدرت پہ کیا ہے قرباں
تُو ہے مصنوعی مجالس کی چمک پر شاداں!
وقتِ شب اپنے ستارے کو جو چمکاتا ہوں
اس زمیں پر ہی سماں چرخ کا دکھلاتا ہوں
اہلِ دُنیا مجھے قسمت کا ستارا سمجھے
حُسنِ گلشن کے لئے ایک سہارا سمجھے
ہستیِ شمع پہ بنیاد ہے تیری قائم
روشنی میری چمکتی ہے گلوں پر دائم
تجھ پہ روشن ہوں اگر رُوحِ خودی کے اسرار
دل پہ اپنے ہی فدا ہو تو مثالِ پرکار!

ایمان و عمل

بیشتر لوگوں کو ہے ایماں کا اپنے ادّعا
اور ایماں کی ضمانت دیتے رہتے ہیں سدا
ہر گھڑی کھاتے ہیں وہ ایمان و قرآں کی قسم
"گفتگو" سے اُن کی ایماں ہے ہویدا دم بدم
الغرض ایمان کی تکمیل پر شاداں ہیں وہ
ایک جنّت ہے خیالی، جس میں آباداں ہیں وہ
مدّعی ایماں کے ہیں مفقود ہے لیکن عمل
اس دورنگی سے ہے تہذیب و تمدّن میں خلل

اُن کے ایماں اور عمل سے ہے عیاں اتنا تضاد
دیکھ کر جس کو ہوں نادم کافرانِ بد نہاد
جب یہ لازم ہے کہ سورج سے ہو ظاہر روشنی
اور اُٹھیں آتشِ سوزاں سے موجیں دُود کی
جب یہ لازم ہے کہ بارش سے چمک اُٹھے بہار
اور تر و تازہ ہوں اُس سے گلستان و سبزہ زار
تب ضروری ہے کہ ایماں کا نتیجہ ہو عمل
اور عمل سے فطرتِ انسان بھی جائے بدل
پس "عمل ایمان" گویا خادم و مخدوم ہیں
ہر دو چیزیں حسبِ قرآں لازم و ملزوم ہیں
جس کو دیکھو بے عمل، سمجھو یہاں ایماں نہیں
طور ہے، جس پہ کہ نورِ ایزدی رخشاں نہیں

قوم میں ہو جب بھی ایمان و عمل کا اجتماع
ہم یہ سمجھیں گے کہ شر کا ہو گیا محکم دفاع
ورنہ ایماں، بے عمل اسلام کی تضحیک ہے
اس کا جو پہلو بھی لو، تاریک ہی تاریک ہے
باعمل مومن جو تھے، دُنیا کے وہ مختار تھے
صاحبِ تسخیر تھے، جبّار تھے، خود دار تھے
چند تھے، لیکن کیا سارا جہاں زیرِ نگیں
اُن کی ہستی سے عیاں ہے عظمتِ دُنیا و دیں
جب تلک ہوگا نہ ایمان و عمل میں اتحاد
ہستیِ مُسلم کا دُنیا میں نہیں کچھ بھی مفاد

اخوّت

(خالص اسلامی نقطۂ نظر سے)

جب اخوّت کا ہو احساس دلوں میں بیدار
دہر سے ظلم کی ہر رسم فنا ہوتی ہے
محو ہو جاتی ہے سینوں سے عداوت یکسر
اور اُلفت ہمہ سُو جلوہ نما ہوتی ہے
جذبۂ ایثار کا ہوتا ہے عمل میں روشن
فکر و کردار میں تنویرِ وفا ہوتی ہے
دردِ ملّت کے لئے عشق دوا بنتا ہے
قلب میں نُور تو ہونٹوں پہ دُعا ہوتی ہے

جس اخوّت سے پلٹ جائے نظامِ تقدیر
اُس اخوّت میں نہاں رُوحِ خدا ہوتی ہے

یہ اخوّت ہے مسلماں کے لئے رازِ عروج
اِس اخوّت سے عیاں شانِ بقا ہوتی ہے

اہلِ حق پاتے ہیں وحدت کا نظامِ محکم
قصرِ باطل کی ضعیف اس سے بِنا ہوتی ہے

خیر کا درس ہے یہ جملہ جہاں کے حق میں
بہرِ شر اِس کی جِلا مُحکمِ قضا ہوتی ہے

زندہ پھر عہدِ صحابہؓ کی اخوّت کر دے
قیمتِ عشقِ نبیؐ یُوں ہی ادا ہوتی ہے

لفظ جو بندۂ مومن کی زباں سے نکلے
حق تو یہ ہے کہ وہ فطرت کی صدا ہوتی ہے

رازِ طاقت

پھر بنا قرآن کو علم و عمل کا رہنما
ہے یہی اکسیرِ اعظم تیری طاقت کے لئے
فرقہ بندی چھوڑ، حبل اللہ کو مضبوط تھام
مستحق مومن ہے دُنیا کی امامت کے لئے
قلب و جاں کی قوّتیں ممکن نہیں جز حفظِ دیں
دین ہے رُوح و رواں جسمِ سیاست کے لئے
ذلّتِ اقوام ہے دُنیا میں احساسِ شکست
اور یقینِ فتح ضامن ہے حکومت کے لئے

دیکھ تیرے ہاتھ سے ہونے نہ پائے ظلم و جور
حق نے تجھ کو دہر میں بھیجا عدالت کیلئے

جز خدا ہرگز کبھی مخلوق کا سائل نہ ہو
احتیاج اک زہر ہے مومن کی غیرت کے لئے

ہر دو عالم کے عوض بھی کذب کا حامی نہ ہو
کوئی قیمت ہی نہیں نطقِ صداقت کے لئے

خائف و مرعوب مت ہو لشکرِ کفار سے
اقتدار و حکم قسمت ہے شجاعت کے لئے

رزم گاہِ زیست میں راحت ہے گویا خودکشی
رزمگہ موزوں نہیں غازی کو راحت کے لئے

راہِ حق کو کر منور مشعلِ ایمان سے
تجھ کو حق نے چن لیا سب کی قیادت کے لئے

حکایتؔ شیر و عالمگیرؒ

(علامہ اقبال کی ایک فارسی نظم کا ترجمہ)

شاہِ عالمگیر تھا تقویٰ سے گردوں آستاں
زہد نے اُس کو کیا چشم و چراغِ خانداں
اُس کے دم سے احترامِ شرعِ پیغمبرؐ ہُوا
پایۂ اسلامیاں ہر قوم سے برتر ہوا
چھڑ رہی تھی ہند میں جب کارزارِ کفر و دیں
ترکشِ ملت میں تھا وہ اِک خدنگِ آخریں
تیغ نے اُس کی دیا الحاد کا خرمن جلا
شمعِ دیں کو محفلِ مسلم میں روشن کر دیا

ایک دن وہ عزت و زیبائشِ تاج و سریر
تھا شہنشاہی میں بھی جو در حقیقت اِک فقیر
چل دیا جنگل کی جانب سیر کو وقتِ سحر
ذکر سے جب طائروں کے گونجتا تھا ہر شجر
شاہ کو بھی خوفِ حق نے کر دیا محوِ نماز
ہو گیا غرقِ حقیقت چھوڑ کر فکرِ مجاز
ایسی حالت میں ہوا اِک شیر جنگل سے عیاں
کر دیا جس کی گرج نے چرخ کو لرزہ بجاں
بوئے آدم نے اُسے دی جسم آدم کی خبر
اُس نے عالمگیرؒ کی پنجے سے آپکڑی کمر
شاہ نے دیکھا نہ سوئے شیر مڑ کر ایک بار
ہاں کمر سے کھینچ لی اِک آن میں اپنی کٹار

پھر خدا کے دوست نے اِس شان سے حملہ کیا
شیرِ بیشہ کو وہیں اِک شیرِ قالیں کر دیا
ہو گیا پھر مائلِ حق اُس کا قلبِ ناصبور
تھی اُسے معراجِ دُنیا میں نمازِ باحضور
تیرے سینے میں بھی اے مسلم! ہے ایسا دل کوئی؟
بہرِ لیلیٰ کیا بنائی تُو نے بھی محمل کوئی؟
پھونک دے اِک دم میں برقِ عشق سے ہر مختصم
جو خدا کے شیر ہیں، اُن کو نہیں کوئی الم!

خوفِ خالق ہی فقط اسلام کا عنوان ہے
اور ڈرِ مخلوق کا غارت گرِ ایمان ہے

حکمتِ معراج

معراج سے نبیؐ کے یہ حکمت ہوئی عیاں
مومن کا ہے مقام ثریّا سے بھی بلند

جب عشقِ حق نے عقل کے پردے اٹھا دیئے
ہفت آسماں کو چیر گئی ایک ہی زقند

اللہ جس کے دل کا ہے سرچشمۂ حیات
اس کو کبھی نہ آئے گا یہ خاکداں پسند

کچھ حد نہیں ہے جذبۂ تسخیرِ روح کی
قیدِ مکاں سے مومنِ جانباز ہے بلند

جب حُسنِ کردگار کی عادی ہو اِک نگاہ
پڑتی ہے جا کے عرش پہ اُس کی سدا کمند
ربطِ کمالِ حق سے ہو جب قلب کو نصیب
ہوتی ہے محوِ عقل سے دنیائے چُون و چند
جس شخص کو ہو مخلصِ خالق کی جُستجو
کرتا ہے اپنی دید سے حق اُس کو ارجمند
خوشنودیٔ حبیب میں ہو جائے جو فنا
پستی سے دُور دُور ہے وہ ہمّتِ بلند
ہجرِ خدا میں رُوحِ مسلماں کی رات دن
بے تاب و بے قرار ہے چوں دانۂ سپند
معراجِ جسم و جاں کی ہے گر تم کو آرزو
ہو جاؤ آج حکمِ پیمبرؐ پہ کاربند

قرآن کے بغیر ترقی محال ہے
حکمِ نبیؐ ہی ضامنِ اوجِ کمال ہے!

اُسوۂ فاطمہؓ

صنفِ نازک کے لئے ہے اُسوۂ کامل بتولؓ
دین و دُنیا کا عمل سِکھلا گئی بنتِ رسولؐ
فاطمہؓ کا مرتبہ سب عورتوں سے ہے بلند
صبر و تقویٰ سے کیا تھا حق نے اُس کو بہرہ مند
فاطمہؓ جو خشک روٹی کھا کے بھی شاکر رہی
فاطمہؓ جس نے عبادت میں بسر کی زندگی

فاطمہؓ چکی سے جس کے ہاتھ میں چھالے پڑے
فاطمہؓ جس نے مصلّے آنسوؤں سے تر کیے

حاجتِ سائل کی خاطر بیچ دی جس نے ردا
ہے عدیم المثل جس کا جذبۂ جود و سخا

فاطمہؓ خاتونِ جنت، زوجۂ خیبر شکن
نام سے جس کے ہوا کرتا تھا لرزاں اہرمن

طاعتِ حق طاعتِ شوہر میں یکساں کامیاب
فہمِ دنیا فہمِ عقبیٰ میں بنائے انقلاب

دیکھ اے خاتونِ حاضر! دیدۂ غیرت سے دیکھ
فاطمہؓ کی زندگی کو جذبۂ الفت سے دیکھ

وہ تمہاری مانند زیبائش کی شیدائی نہ تھی
زینتِ اخلاق تھا اُس کا اصولِ زندگی

ہر گھڑی مقصود تھا داں روحِ تقویٰ کا جمال
تھا کہیں صورت سے بڑھ کر حُسنِ سیرت کا خیال
سُرخی و غازہ کی زینت سے اُسے تھا احتراز
اس کے جذب و شوق کا مرکز رہے ہے ذکر و نماز
تلخ گوئی ہے، مگر طارق کو کیجیے گا معاف
بات جو حق ہے اُسے کہتا ہوں میں اب صاف صاف
آج کی خاتونِ جنّتی سے غلام ابنِ غلام
حرّیت ہیں فاطمہؓ کا لعل دُنیا کا امام
حق پہ قرباں ہو گیا آخر شہیدِ کربلا
عظمتِ اسلام پر دھبہ نہ پر آنے دیا
کیا ترے فرزند میں وہ جذبۂ اسلام ہے؟
کام بھی ہے مومنوں کا یا فقط اک نام ہے؟

ہوش آتے ہی اُسے تُو نے کیا غرقِ سکول
ہے یہی باعث کہ ہے وہ دین میں مردِ جہول
صرفِ کالج وقفِ دفتر ہو گیا اُس کا شباب
جی حضوری ہی میں کر بیٹھا وہ ہستی کو خراب
معنیٔ قرآن کی مطلق نہیں اُس کو خبر!
دین کے احکام کا ہوتا نہیں دل پر اثر
کافرِ مطلق بنا دیتی ہے تعلیمِ فرنگ
فسق وہ دیتی ہے دل سینے میں ہو جاتا ہے سنگ
آج بھی بچوں کو آغوشِ ہدایت میں سنبھال
رُوح میں کر اُن کی پیدا رُوحِ قرآں کا جلال
رنگ دے فطرت کو اُن کی جوہرِ ایماں سے
مسلمِ صادق بنا دے معنیٔ قرآن سے

فاطمہؓ کے سامنے تا حشر میں ہو سُرخرُو
ہو محمدؐ کو بھی تیرے دیکھنے کی آرزو!
ہو تری اولاد تیرے واسطے وجہِ نجات
اور دے حُسنِ عمل سے قوم کو تازہ حیات
ورنہ ہونے کو تو بھیڑوں کی بہت اولاد ہے
رُوح مُردہ ہو تو ہستی کارِ بے بنیاد ہے

مقامِ حسینؓ

عالم میں بس امامِ شجاعت حسینؓ ہے
جانِ وفا و رُوحِ صداقت حسینؓ ہے

مومن کے قلب و دست کی قوت حسینؑ ہے
دُنیا و دیں میں باعثِ رحمت حسینؑ ہے
اسلام کی بقا ہے شہادت حسینؑ کی
پائندہ حشر تک ہے امامت حسینؑ کی
صدقِ خلیلؑ و معنیِ قرآں حسینؑ ہے
رُوحِ صفا و جوہرِ ایماں حسینؑ ہے
نُورِ نبیؐ و رحمتِ یزداں حسینؑ ہے
سچ پُوچھو تو امامِ شہیداں حسینؑ ہے
ناناؐ کی زندگی کا نمُونہ ہے یہ شہید
غالب نہ اُس کے عزم پہ آیا کوئی یزید
غیرت میں بے مثال شجاعت میں فرد تھا
میداں میں جو اُترا تو شیرِ نبرد تھا

رستے میں اُس کے کوہ بھی مانندِ گرد تھا
گرمی وہ تیغ میں کہ لہو سب کا سرد تھا
سر دے دیا لوائے ستم بھی گرا دیا
شرکِ جلی کا نام جہاں سے مٹا دیا
جس کو نصیب ہو گئی دنیا میں اُس کی دید
گویا یہ دید بن گئی فردوس کی نوید
خوشنودیٔ خدا و نبیؐ کو لیا خرید
واللہ اُس سے نارِ جہنم بھی ہے بعید
اُسوہ جو ہے حسینؑ کا اُس پر کرو عمل
مر کے بھی تم کو آئے گی ہرگز نہ پھر اجل

منافق کی پہچان

(ایک حدیث نبوی کا اردو ترجمہ)

تین چیزیں جس میں ہوں اس کو منافق جانئے
مومنوں میں آ ملے، تب بھی اُسے پہچانئے
ایک[۱] جب وعدہ کرے، کرتا نہیں اُس کو وفا
کھا کے قسمیں بھی وہ ہر مُسلم سے کرتا ہے دغا
دُوسرے[۲] غصّے میں بکتا ہے وہ پیہم گالیاں
بے ادب، دُشنام گو، گستاخ ہے اس کی زباں
تیسرے[۳] جو بھی امانت اُس کے ہاتھوں سونپ دو
وہ خیانت کر کے کھا جائیگا ہر ہر چیز کو!

یا اُسے تبدیل کر دے گا، کرے گا یا کمی
الغرض تجھ کو نہ لوٹائے گا اصلی شے تری

شجرۂ طیّبہ

اس زمانے میں ہُوا مُسلم جو محرومِ یقیں
معنیٔ الفاظِ قرآں کی خبر مطلق نہیں
"شجرۂ طیّب" کیا خالق نے قرآں میں بیاں
آج اس شجرے کی حکمت کو میں کرتا ہوں عیاں
اے مسلماں! یہ شجر شر کی ہوا سے پاک ہے
اس شجر کی بیخ حق کے آب سے نمناک ہے

اس شجر کی بیخ ہے نُورِ محمدؐ کا جمال
نُورِ احمدؐ سے ہوئیں اِس کی بہاریں لازوال
جب اُگیں شاخیں، تو گویا یہ خلیفے ہو گئے
باغِ عالم کو سدا تقویٰ کا پھل دیتے رہے
پھوٹ نِکلے پھل، تو یہ ہیں اولیائے باصفا
رُوح کو زندہ کیا پائی ہمیشہ کی بقا
باخدا جو بھی مِلے، اُس کی اطاعت چاہیئے
بہرِ حُبِّ مصطفےٰؐ اُس سے محبت چاہیئے
مصطفےٰؐ صدّیق پر جو ہو گیا دِل سے نثار
عشقِ صدّیقی میں ہیں صادق مسلماں بیقرار
پُوچھ مت مجھ سے کہ کیا ہے شان اس صدّیق کی
جس نے بس بہرِ محمدؐ وقف کی تھی زندگی

قلب ہے صدّیق کا عشقِ نبیؐ سے پُر ضیا
ہے یہی باعث کہ عاشق اُس کا ہے خود بھی خدا
شمعِ حق کے گرد یہ مردِ خدا پروانہ تھا
عشق کی دیوانگی میں سر بسر فرزانہ تھا
کس نے لا ڈالا تھا قدموں میں سبھی مال و منال
کس کی قربانی سے بار آور ہے ملّت کا نہال
ناگہاں حملہ کیا جب دُشمنِ خونخوار نے
غار میں کس کو ڈسا تھا آکے مُوذی مار نے
یار کے ہمراہ تھا باطل کے ہر طوفان میں
سب مصائب سہ لئے اِک لذّتِ ایمان میں
جب سبھی مُنکر تھے، بس صدّیق نے تصدیق کی
صدقِ احمدؐ پر مٹا، ہرگز نہ کچھ تحقیق کی

اے خوشا وہ رشکِ فاروقؓ و بلالؓ و بوترابؓ
حسنِ ایمان و عمل میں ہے کہاں اُس کا جواب

رُوحِ طیّب کو یہیں پروانۂ جنّت ملا
رحمتِ ہر دو جہاں سے مژدۂ رحمت ملا

شجرۂ طیّب محمدؐ، نورِ حق سے بہرہ ور
کر گیا تقسیم بس صدّیقؓ ہی اُس کا ثمر

دُوسروں کے حق میں اب تعریف ہو گی بے اثر
دائروں کو چھوڑ کر مرکز پہ لے آؤ نظر

سلسلہ جو بھی چلا مرکز سے، ہے وہ لازوال
ہے فقط وہ سلسلہ توحید و سُنّت کا کمال

خاکِ پائے اولیا ہوں، اولیا اُس در کی خاک
احمدؐ و صدّیقؓ ہیں جس دل میں، ہے وہ شر سے پاک

عشقِ مولا، عشقِ احمدؐ، عشقِ صدّیقِ صفی
بس اسی میں ڈھونڈ اے مومن عروجِ زندگی

نوحۂ ابلیس

(در حرم کعبہ)

(یہ نظم اپنے موضوع، مقصد اور اندازِ بیان کے لحاظ سے علّامہ اقبال کے تمام فارسی کلام میں خاص نُدرت و امتیاز کی حامل ہے۔ فارسی ادب میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور یکتا شاہکار ہے جس میں شاعر ابلیس کی زبانی انسان کے سکون و جمود

اور غفلت و عصیت پر نہایت موثر طنز کرتے ہوئے اُس
کو مقامِ خلافت کی حفاظت اور "خودی" کی خُفتہ قوّتوں
کے بیدار کرنے پر آمادہ کرتا ہے،

اے خداوندِ ثواب و ناثواب
میں ہُوا آدم کی صحبت سے خراب
اُس سے مخفی ہی رہا رازِ خودی
کی نہ میرے حکم سے کچھ سرکشی
بے خبر ہے لذّتِ انکار سے
وہ نہیں سمجھا فوائدِ کبرؒ کے
دام میں صیّاد کے خود آ گیا
صید سے ایسے مجھے مولا بچا

اب مری پہلی عبادت یاد کر
اُس کے رشتے سے مجھے آزاد کر
حق پرستی چھوڑ کر خواہش پرست!
اُس کی پستی سے مری ہمّت بھی پست
اُس میں جب ایماں کی قوّت ہی نہیں
دہر میں میری ضرورت ہی نہیں
فطرت اُس کی خام ہے اور دِل ضعیف
میرے قابل ہی نہیں میرا حریف
لا اکھاڑے میں کوئی صاحب نظر
جس کی ہیبت سے ہو شق میرا جگر
یہ کھلونے، یہ بُتانِ آب و گِل
کر رہے ہیں جسم میرا مضمحل

پیر کو جائز نہیں ہے دل لگی
مجھ سے ہونے کی نہیں اب کودکی
ابنِ آدم چیز کیا ہے؟ مشتِ خس!
مشتِ خس کو اک شرر میرا ہے بس!
دہر میں خس کے سوا گر کچھ نہ تھا
مجھ کو اتنی آگ کیوں کی تھی عطا؟
سنگ پگھلاتا ہے مردوں کا وقار
شیشہ پگھلاتا ہے وہ بر سنگ و خار
فتح و غلبہ سے ہوا ہوں ایسا تنگ
جنگ میں پاتا نہیں کچھ لطفِ جنگ
اس تغافل کو مٹا اب رنج و غم
اور مری حالت پہ کر اتنا کرم

بھیج میرے سامنے مردِ غیور
ہو مری صورت سے جو بے حد نفور
ضرب جس کی میری گردن توڑ دے
ڈال کر برقِ نگہ منہ موڑ دے
وہ، جو ہر شے سے مجھے سمجھے حقیر
خوف سے آزاد ہو جس کا ضمیر
جس کے دل میں ہو سدا جوشِ ستیز
اور دے.. ابلیس کو حکمِ گریز
جو کہے "میدان سے اب دوڑ جا
بعد ازیں مجھ کو نہ یہ چہرہ دکھا"
اے خدا اِک زندہ مردِ حق پرست!
شاید اُس سے پاؤں کچھ لطفِ شکست

زندانِ پاکستان سے

گرچہ بفضلِ حق سے اسلامی حکومت بن گئی
چل رہا ہے محفلوں میں اب بھی وہ دَورِ شراب
اب بھی مینا کے اشاروں پر ہے پیمانوں کا رقص
بزم میں اب بھی کھنکتے ہیں وہ بلوریں حباب
پاکبازی کے ہو پاکستاں میں گو تم مدّعی
کر رہے ہو دُخترِ رَز کی مگر عصمت خراب
گرچہ آئینِ شریعت کی حمایت میں ہے شور
سرپرستی مے کی بھی کرتے ہو تم زیرِ حجاب
اہلِ پاکستاں کو دیتے ہو نکوکاری کا درس
قوم کو بیدار کرتے ہو مگر خود مستِ خواب!

خادم و مخدوم سے میری ہے اب یہ التجا
مت کرو برباد مے نوشی میں یوں اپنا شباب

زندگی میں سرفرازی کی ہے تم کو جستجو
مے پرستی زندگی کے واسطے ہے زہر ناب

قوم ہو یا فرد، جب ہو نفس کا اپنے غلام
محو ہو جاتی ہے اخلاق و عمل کی آب و تاب

پیروی قرآں کی اسلامی ریاست میں ہے فرض
مے کا پھر مُسلم پہ کیوں اب بھی مسلط ہے عذاب؟

ہو کے "مومن"، کھاتے پیتے ہو تم اشیائے حرام
اس دو رنگی کا تمہارے پاس ہے کوئی جواب؟

ہر دو عالم میں اگر بچنا ہے حق کے قہر سے
نفسِ امّارہ کی طاعت سے کرو اب اجتناب!

ترانۂ مجاہدین

باطل ہے مٹانا، ہمیں باطل ہے مٹانا
توحید کے پرچم تلے دُنیا کو ہے لانا

ہم شیر ہیں غازی ہیں مجاہد ہیں وطن کے
کچھ خوف نہیں موت سے، جاں دیتے ہیں تن کے
محتاج ہیں چادر کے نہ محتاج کفن کے
بے باک ہیں، عادی نہیں ہم رنج و محن کے

باطل ہے مٹانا، ہمیں باطل ہے مٹانا
توحید کے پرچم تلے دُنیا کو ہے لانا

اسلام کا ہر سُو ہمیں ڈنکا ہے بجانا
سوئی ہوئی ملّت کو ہے دوبارہ جگانا
میدان میں ایمان کا جوہر ہے دکھانا
ہر تیر سے دُشمن کا جگر ہوگا نشانا
باطل ہے مٹانا، ہمیں باطل ہے مٹانا
توحید کے پرچم تلے دُنیا کو ہے لانا

مل جاؤ تم آپس میں ذرا زور لگا دو
جو شان ہے مومن کی وہی شان دکھا دو
دُشمن ہیں جو اسلام کے، اُن سب کو مٹا دو
اِک نعرۂ تکبیر سے دُنیا کو ہلا دو
باطل ہے مٹانا، ہمیں باطل ہے مٹانا
توحید کے پرچم تلے دنیا کو ہے لانا

ہم اپنا جہاں آپ ہی تعمیر کریں گے!
ہر ضرب سے مقصود کو تسخیر کریں گے
عالم پہ عیاں تیزیِ شمشیر کریں گے
واللہ کہ ہم کفر کو دلگیر کرینگے!
باطل ہے مٹانا، ہمیں باطل ہے مٹانا
توحید کے پرچم تلے، دُنیا کو ہے لانا

مومن کی جو فطرت ہے وہ ہر رُخ سے حسیں ہے
دُنیا کی ہوس قلبِ مسلماں میں نہیں ہے
مطلوب ہمارا نہ زر و زن نہ زمیں ہے
مقصد ہے اگر کوئی تو بس خدمتِ دیں ہے
باطل ہے مٹانا، ہمیں باطل ہے مٹانا!
توحید کے پرچم تلے دُنیا کو ہے لانا

اِعلانِ حق

حق عیاں جس پر کرے دُنیا میں آزادی کا راز
آستانِ کفر پر ہوتا نہیں محوِ نیاز

حق پرستی اور حق گوئی ہے ملّت کا عروج
حق کی فطرت ہے کہ باطل پر کرے وہ ترکتاز

مسلکِ خفّاش ہے قوموں کی سطوت کا زوال
مسلمِ غافل! عمل سے کر عیاں تسخیرِ باز

جب تجھے اللہ نے محمود کا بخشا مقام
پستیٔ احساس سے کیوں بن رہا ہے تُو ایاز

تیرا سینہ ہے امیں توحید کا ایمان کا
معجزہ سے لا الٰہ کے توڑ دے سحر مجاز

جوشِ خالدؓ ضربِ حیدرؓ کا زمانہ آگیا
آتشیں حملے ہی کر سکتے ہیں آہن کو گداز

رزم میں ہے، رزم میں ناداں بقائے زندگی
تجھ کو ہیں محبوب اب بھی بزم کے ناز و نیاز

جب تلک پیدا نہ ہو دل میں ترے ذوقِ جہاد
ہو نہیں سکتے کبھی مقبول تسبیح و نماز

زندگی اُن کی ہے جن کے پاس ہے توپ و تفنگ
موت ہے تقدیر اُن کی، جن کے ہاں بجتے ہیں ساز

عیش و عشرت میں ہے پنہاں مرگ و ذلّت کا پیام
عزمِ محکم، سعیٔ پیہم ہی میں ہے رازِ دوام

فیضِ اقبالؒ

آہ اے اقبالؔ گو تُو خاک میں مستور ہے
قلبِ مومن تیرے نورِ شعر سے معمور ہے
یُوں تو حالیؔ بھی ہے غفلت پر ہماری نوحہ خواں
ہے مسدّس اُس کی گویا اشک کا سیلِ رواں
اور اکبرؔ نے بھی دکھلائی ہمیں راہِ نجات
جس کی پابندی حقیقت میں ہے دستورِ حیات
شعر ہے تیرا مگر کچھ اس طرح طوفاں بدوش
رُوحِ مُردہ میں بھی جس سے ہو بپا جوش و خروش

ہے ترا ہر ہر نفس جانِ جہانِ آرزو
ہے صدا ہیم تری لَا تقنطوا لَا تقنطوا!

یاس ہی کا نام تیرے دین میں الحاد ہے
یاس میں محبوس ہو کر ہر کوئی برباد ہے

فیض سے اُمّید کے ہر قوم ہوتی ہے جواں
ضربِ محکم میں ہے پوشیدہ حیاتِ جاوداں

تُو نے بتلایا کہ جب ناپید ہو دل میں یقیں
حقِ آزادی کسی کو دہر میں مِلتا نہیں

ہو کسی مِلّت میں جب مفقود ایمان و عمل
اُس کو جینے ہی نہیں دیتا کبھی دستِ اجل

ہے حوادث کے تلاطم میں نہاں برقِ شباب
اور جرأت سے بنے اکثر کبوتر بھی عقاب

کاہ کو بھی کوہ کا تُو نے دیا عزم و وقار
ہے خزاں کے واسطے تیرا نفس بادِ بہار
رُوح تیری ظلمتوں میں نور کی قندیل ہے
شعر تیرا جو بھی ہے، اک صورِ اسرافیل ہے

احساسِ موت

(ایک نفسیاتی مطالعہ)

موت کا احساس ہے انساں کو بیشک ناگوار
قلبِ انسانی میں چُبھتا ہے یہ دائم مثلِ خار
حسرتیں ہیں موت کے ہاتھوں سے اکثر نوحہ خواں
گُلشنِ شاداب کو ویران کرتی ہے خزاں

باوجود اس کے ہے پنہاں موت میں ایسا عمل
کر نہیں سکتا جسے برباد خود دستِ اجل
تازیانہ ہے عمل کے حق میں آئینِ فنا!
جذبۂ تسخیر کو ہے موت سے حاصل بقا!
ہے بنا پرواز کی احساسِ عمرِ مختصر!
سخت کوشی کا ہے خالق موت کا فوری خطر!
رزمگاہِ دہر میں ہے موت سے ذوقِ ستیز
رخشِ ہمت کی ہے اس سے خود بخود رفتار تیز
ہے یہ فطرت کا تقاضا جب ہو حملہ موت کا
اُس سے پہلے ہم فرائض زیست کے کرلیں ادا
ہے تصوّر موت کا جانِ جہانِ آرزو
کامیاب و گرم رَو ہے اس سے ذوقِ جستجو

موت کی تلخی میں ہے فرحت کی شیرینی نہاں
اس کی تاریکی میں ہے نورِ حیاتِ جاوداں
موت ہی کے خوف سے دنیا میں سب ہیجان ہے
موت ہی سے بحرِ احساسات میں طوفان ہے
الغرض جس موت کی دیتی ہے ہمت کو جلا
موت ہی سے دہرِ فانی میں ہے جینے کا مزا
موت سے ہر نقص بھی پاتا ہے معراجِ کمال
کارنامے نوعِ انساں کے ہیں اس سے لازوال

موج اور ساحل

ساحل

ہے تری فطرت میں روزِ آفرینش سے غرور
میں محافظ ہوں ترا، ہے پھر بھی مجھ سے دُور دُور
خواہشِ پرواز میں اُٹھتی ہے سوئے آسماں
ایک لمحے میں مگر دیکھو تو ہے پھر بے نشاں
تجھ کو اپنی ذات پر حاصل نہیں کچھ اختیار
نعرۂ طوفان ہی رکھتا ہے تجھ کو بے قرار

ہے ترا بُود و عدم شرمندۂ موجِ ہوا
گاہ پیدا تجھ کو کرتی گاہ دیتی ہے مٹا
مطلقاً بے بس ہے، استحکام سے محروم ہے
جو نہ ہو خود دار، وہ محکوم ہے معدوم ہے
میرے سینہ سے بھی ٹکرایا ہے اکثر تُو نے سر
پھر گئی واپس مگر اپنے ہی سر کو پھوڑ کر
آنکھ سے تیری ہے مخفی اب تلک رازِ خودی
تیری قسمت میں نہیں جذب و جلالِ زندگی

موج

نکتہ چینی ہے تری جہل و حماقت کی دلیل
کورچشمی جہل کی کرتی ہے ہر شے کو ذلیل

تُو سدا ثابت ہے لیکن میں سدا سیّار ہوں
تو تنِ آساں ہے مگر میں چُست ہوں جرّار ہوں
میں سفر میں دیکھتی ہُوں حُسنِ بزمِ کائنات
ہر قدم پر موجزن ہے مجھ میں اک تازہ حیات
جو کوئی ہو راہ میں حائل، فنا کرتی ہوں میں
فرض اپنی حریّت کا یوں ادا کرتی ہوں میں
میری جد و جہد ہے تسخیر و نصرت کا نشاں
سخت کوشی میں ہی باقی ہوں حیاتِ جاوداں
ہوں رواں جب تک تو بزمِ دہر میں موجود ہوں
ایک لمحے کو بھی رُک جاؤں تو پھر نابود ہوں
پاک ہوں اور صاف ہوں جب تک ہوں وقفِ جستجو
جب ٹھہر جاؤں، بدل جاتے ہیں میرے رنگ و بو

ساکن و جامد ہے تُو، لُطفِ سفر سے بے خبر
چھیڑ سے ہیں بھی گُزر جاتی ہوں پہلو مار کر
جوش ہیں لیکن کبھی سر کو جو ٹکراتی ہوں میں
چیر کر سینہ ترا کوسوں نکل جاتی ہوں میں
مُردہ رُوحوں کو سدا مجبوب ہے عیشِ قیام
زندہ رُوحوں پر مگر آرام و راحت ہے حرام

دوشیزۂ صحرا

ملی جو دامنِ صحرا میں ایک دوشیزہ
کہا یہ میں نے کہ کس کام کا جمال ترا

رہی تو حسرتِ عشاق میں تہی آغوش
کہ بدر بن نہ سکا حیف یہ ہلال ترا

ہمیشہ دیدۂ مشتاق سے نہاں رہنا
یہی ہے دہر میں لے دے کے بس کمال تیرا!

رہینِ لب نہیں تیرے شباب کی خواہش
تری نگاہ کی مستی میں ہے سوال ترا

یہ نکتہ چیں، یہ مسرّت، یہ عشوہ و غمزہ
نظر کی گھات سے ثابت ہے انفعال تیرا

ہے حسن تیرا بیاباں میں رشکِ صد فردوس
شکست دے مہ و پروین کو بھی جمال ترا

تڑپ رہا ہے یہ حسرت میں کوئی سوختہ دل
ہے تیرے رخ پہ بظاہر عیاں جو خال ترا

خزاں نہ لوٹ لے آکر کہیں بہارِ شباب
زوالِ حُسن حقیقت میں ہے زوال ترا
فضائے شہر میں اس کے ثمر کا لطف اُٹھا
نہ جائے جل کہیں صحرا ہی میں نہال ترا

دوشیزہ

ڈرا نہ مجھ کو خزاں کی تباہ کاری سے
سدا بہار ہو جس میں وہ گلستان ہوں میں
جمال میرا ہے صحرا میں لالۂ خود رَو
خدا کی صنعتِ یکتا کی ترجمان ہوں میں
اچھوتا پن ہی ہے عورت کے حُسن کا زیور
اسی سبب سے ملاحت کی ایک کان ہوں میں

چمک ستاروں کی افشاں ہے میرے گیسو کی
زمین پر بھی ثریّا کا اک نشان ہوں میں
ہیں مہر و ماہ بھی کانوں کے میرے آویزے
غرضکہ پیکرِ حُسنِ ازل کی جان ہوں میں
تمام ذرّوں کی جنبش ہے میری پرتو سے
خموش رہ کے بھی احساس میں جوان ہوں میں
شفق بھی دیتی ہے رنگِ حنا کی زیبائش
کہ صبح و شام کے جلووں کا اک جہان ہوں میں
سُلجھتی ہیں میری زُلفیں ہوا کے شانہ سے
اُلجھ بھی جائیں تو سمجھو کہ قہرمان ہوں میں
نسیم لاتی ہے اس جا بھی بوئے مُشکِ ختن
اُسی سے کھیل کے ہر لمحہ شادمان ہوں میں

مری حیا ہے مرے رُخ کا بہترین غازہ
غیور قوم کے ماضی کی داستان ہوں میں
اُڑائے تا نہ مجھے آن کر کوئی شاطر
بساطِ دہر پہ اپنا ہی امتحان ہوں میں
تری نگہ سے ہویدا ہے بسکہ بُوئے ہوس
سمجھ لے خُوب کہ عصمت کی پاسبان ہوں میں
مری تجلّیِ رُخ سے تو شرمسار ہے حُور
جو پائے برقِ تبسّم تو شعلہ ریز ہو طور

شاعر

یہ ریگ اور لوؤں کی لپٹ یہ بادِ سموم
دیارِ قہر میں کس ظلم کا شکار ہے تُو

تُو گُل ہے اور ترا مسکن ہے صحنِ گلشن ہیں
رہی جو دامنِ صحرا میں بے وقار ہے تُو
میں اپنے خواب کی تعبیر تجھ میں پاتا ہُوں
مری مجالسِ رنگیں کا اک خمار ہے تُو
تری نمود سے بھڑکیں گے عشق کے شعلے
نگاہِ شوق میں اُڑتا ہُوا شرار ہے تُو
ترا تبسّمِ پنہاں ہے آنکھ کی ٹھنڈک
دلِ حزیں کی تپش کے لئے قرار ہے تُو
رہے گی خارِ مغیلاں پہ کب تلک سوتی
حریر و اطلس و سنجاب کی بہار ہے تُو
خدا کے واسطے ضد چھوڑ، آ مرے ہمراہ
کہ گُل فروش کی آغوش بن گئی ہے نگاہ

دوشیزہ

پھنسا نہ مجھ کو تُو دامِ حریر و اطلس میں
دِلا نہ عشرتِ موہوم کی تُو آس مجھے
گیاہِ سبز ہی مجھ کو ہے بسترِ سنجاب
ہوائیں کرتی ہیں رہ رہ کے اِک مساس مجھے
کہیں ہے شورِ عنادل، کہیں ندی کا راگ
یہ نغمے ہونے نہ دیں گے کبھی اُداس مجھے
ترا تو خندہ بھی زہرِ آب سے نہیں خالی
شرابِ راحت و آرام کی ہے پیاس مجھے
جو پہنچے شہر میں اپنے تو لے کے میرا نام
وہاں کی پریوں کو دینا یہ ذیل کا پیغام

مٹا کے دہر سے پابندیٔ وفا تم نے
فساد نوعِ بشر میں کیا بپا تم نے!
ہوئی ہو تھیئٹر و رقص و سرود پر شیدا
ڈبو دی کون سے دریا میں اب حیا تم نے
نظر لڑانے کا سودا ہے غیر مردوں سے
کہ شوہروں سے بھی کی ہے سدا دغا تم نے
جنون تم پہ ہے غالب ہوائے فیشن کا
سرور و نورِ حقیقت دیا مٹا تم نے
ہے بچّہ گود میں لینا بھی تم کو ننگ و عار
کہ بچّہ جننے کو سمجھا ہے اک وبا تم نے
نہ قدرتی ہیں ادائیں، نہ حسن کا وہ نکھار
کشش کا تھا جو اثاثہ، جلا دیا تم نے

کہیں ہے سُرخی و غازہ کہیں ہے فیس کریم
نکالا خوب ہے یُورپ کا آسرا تم نے
زمیں کے چھوڑ کے دھندے اگر یں جو حق پہ نظر
خدا کا نقش بھی دل سے مٹا دیا تم نے
خدا کا ذکر ذریعہ ہے ایک راحت کا
ہے شوہروں کی اطاعت میں راز عظمت کا

شاعر

میں دے تو دوں گا خواتین کو پیام ترا
مجھے رُلائے گی لیکن یہ آرزو تیری
ترا یہ ضبط یہ غیرت یہ جذبہ ہائے بلند
رہے گی شوق کو تا موت جستجو تیری

جو ہو گا تیرا تصوّر ہی میرے پیشِ نظر
بہشتِ گوش رہے گی یہ گفتگو تیری
ہو کاش شہر کی عورت کو تیری ذات پہ رشک
خُدا کرے اُسے حاصل ہو خُو و بُو تیری
حصارِ کوہ میں عزّت تری رہے محفوظ
ہو زیرِ سایۂ رحمٰن آبرُو تیری
ترا نشیمنِ صحرا سدا رہے آباد
ہجومِ انجم و خورشید و مہ میں ہو تُو شاد

اپالو بندر کی ایک شام

میں اپالو کی فضا میں محوِ حیرت ہو گیا
نکہتیں ہر سو پریشاں اور منظر شاندار

اک طرف بکھری ہوئی زلفیں عروسِ شام کی
دوسری جانب شعاعِ آفتابِ زرنگار

اُف متاعِ حسنِ جلوہ پاش کی رعنائیاں
اُف یہ پریوں کا اکھاڑہ اور یہ اُن کا سنگار

اضطرابِ روح کا ساماں مہیّا ہر طرف
حُسن کی رنگینیاں، شرمندہ ہو جن سے بہار

مہوشانِ دلربا جلوہ نما اس شان سے
فوجِ وینس کی ہے گویا یہ قطار اندر قطار
ان حسینوں کے مقابل چیز کیا ہیں مہر و ماہ
لے گئے ہوں گے انہیں سے اک شعاعِ مستعار
سر جھونکے جب ہوا کے گدگداتے تھے انہیں
خوں کے ہر قطرے پہ چھا جاتا تھا اک ذوقِ خمار
یوں چمکتے تھے فضا میں وہ لباسِ زرق برق
چاندنی راتوں میں جیسے گر رہے ہوں آبشار
تھے گہر گردن میں یا عاشق کے اشکِ آبدار
وصل کی حسرت میں کرتے ہوں جو اپنے کو نثار
چہرے غازہ سے مزیّن ہو رہے تھے سر بسر
تاہم گوبھی اس جگہ پیدا نہ تھی موجِ غبار

قہقہوں کے نرم و نازک زمزمے تھے ہر طرف
یا فضا کی خامشی میں بج رہی تھی اِک ستار
شعلۂ رخسار کی ضو ایسی جرأت آفریں
عاشقوں کے جھنڈ اُس پر گرتے تھے پروانہ وار
دل سے دل نظروں سے نظریں مل گئیں کہرام میں
کُفر تھا احساس کو اس جا خیالِ شرم و عار
ضبط کر سکتا ہے کب، پڑ جائے جس پہ وہ نظر
موم ہو جائے اثر سے اُس کے جذبِ کوہسار
رازِ ذوق و شوق یوں رُسوا ہُوا بازار میں
اُڑ گیا میرے گماں سے خود ہی میرا اعتبار
وہ مری رمزِ تبسم، اُن کا شوقِ آرزو
اُن کی دُزدیدہ نگاہیں میرے دل کی راز دار

پھر بناوٹ سے دکھانا بے نیازی کی ادا
بے نیازی کو بنانا آرزو کی پردہ دار
شیوۂ تسلیم سے جب عشق نے کھائی شکست
ناز نے کی سرکشی، عاشق کو پاکر شرمسار
موڑ دوں میں برق رُخ تھی، شورِ محشر تھا بپا
رشکِ صد نظارۂ جنت بنا تھا رہگزار
چشمِ مستِ حُسن پر پڑ جائے گر اُن کی نظر
چشم کے ساغر سے ہوں مدہوش سارے بادہ خوار
ہو رہے ہیں کچھ اشارے ابروئے خم دار کے
یا دلوں پر چل رہی ہے ظلم کی پیہم کٹار
جب قضا را مسکراتا ہے کوئی زہرہ جبیں
برق کے شعلے برستے ہیں دلوں پر بے شمار

دلربائی قد میں ایسی اور یہ طغیانِ ناز
عجز سے پاؤں میں آکر گر پڑیں سرو و چنار
پے بہ پے ساحل سے ٹکراتی ہیں موجیں اپنا سر
ہے قدم بوسی کا پیدا ان میں گویا اضطرار
جسمِ نازک پر ہیں پریوں کے لباسِ رنگ رنگ
ریگ کے ذرّوں پہ یا قوسِ قزح کا انتشار
نقشِ نازک اک سے اک بڑھ چڑھ کے ہے جلوہ فشاں
حُسن کے پَرتو ہی سے روشن ہے چشمِ روزگار
اِس قدر رنگینی و فرحت ہو، لطفِ دید ہو
ہے کوئی ایسا چمن، یا ہے کوئی ایسی بہار؟
حُسن ہی کو ہو مبارک اپنا ناز و افتخار
عشق کو ہے ہجر و شیون کا تاثر سازگار

آ گئے ہم چھوڑ کر معمورۂ عیش و نشاط
رہ گئی اُس محفلِ رنگیں کی دل میں یادگار
یُوں تو اُس اقلیم میں ہیں شہر عالیشاں بہت
ہند میں ہرگز نہیں ہوگا کوئی ایسا دیار
ہر قدم پر ہے وہاں وینس کی دختر جلوہ ریز
ہر جگہ ملتا ہے کیوپڈ کو وہاں عمدہ شکار
تُف ہوس پر جس کی مٹتی ہی نہیں ہے تشنگی
حیف دُنیا میں نہیں ہے حُسن کو حاصل قرار
نفس کو ہم نے بنایا کس لیئے اپنا خُدا
آخرش برباد ہے دستِ خزاں سے ہر بہار
غیر فانی حُسن سے دل کو لگایا چاہیئے
بس اُسی کے آستاں پر سر جھکایا چاہیئے!

ترانۂ پاکستان

رحمتِ حق کی جوش میں آئی
ہم نے قوّت و عزّت پائی
شر کی ہیبت دل سے مٹائی
دُنیا اپنی آپ بنائی
سطوتِ مومن زندہ باد! پاکستاں پائندہ باد
دل میں ہمارے نورِ یقیں ہے
یاس کی کوئی بات نہیں ہے
پاکستاں مضبوط و حسیں ہے
جنّت یہ بہ رُوئے زمیں ہے
سطوتِ مومن زندہ باد! پاکستاں پائندہ باد

مرد یہاں کا شیرِ جری ہے
رشکِ خالدؓ فخرِ علیؓ ہے
رہبر سب کا عشق نبیؐ ہے
فتح مبیں کا راز یہی ہے
سطوتِ مومن زندہ باد! پاکستان پائندہ باد!
پیدا وہ شمشیر کریں گے
باطل کو تسخیر کریں گے
اپنا گھر تعمیر کریں گے
روشن خود تقدیر کریں گے
سطوتِ مومن زندہ باد! پاکستان پائندہ باد!

تضمین بر غزل اقبالؒ

چشم سے مے پلا مجھے چشم کو مے گسار کر
تیرِ نظر کو آب دے، قلب و جگر سے پار کر
حسن کی شوخیوں سے پھر عشق کو بے قرار کر
گیسوئے تاب دار کو اور بھی تاب دار کر
ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر

نشہ ہو قید کب تلک موجِ شرابِ ناب میں
برق چھپے گی تا کجا خوابِ گہِ سحاب میں
میرا نیاز تیرا ناز یونہی رہیں گے خواب میں؟
عشق بھی ہو حجاب میں؟ حسن بھی ہو حجاب میں؟
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر!

باعثِ دردِ جاوداں جب کہ تھا جرمِ آرزو
دل کو مرے دیا تھا کیوں جوش و جنونِ جستجو
لُطف و کرم بسیط کر، قطرہ کی رکھ لے آبرو
تُو ہے محیطِ بے کراں، میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر!

تیرے ہی حکم سے مِلا مجھ کو جہانِ رنگ و بُو
عکسِ جمال ہیں ترا دہر کے جُملہ کاخ و کُو
دستِ سخا میں ہیں ترے تاک و خُم و مے و سبو
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خزف تو تُو مجھے گوہرِ شاہوار کر

جب وہ تری ہی خلق تھا اُس نے "انا" کہا تھا کیوں
راہِ صفا سے منحرف دل کو مرے کیا تھا کیوں
تُو نے گناہِ اہرمن سر پہ مرے دھرا تھا کیوں
باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں؟
کارِ جہاں دراز ہے، اب مرا انتظار کر!

وضع کئے تھے "خیر" کو تُو نے یہ ہستی و اجل
بھیجے صحیفہ و نبی بہرِ ہدایتِ مِلَل
طبعِ بشر ہیں پھر بھی ہے خواہشِ نفس سے خلل
روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر!

نالۂ فراق

ہے خرابہ میری نظروں میں جہاں تیرے بغیر
سانس لینا ہو گیا آزارِ جاں تیرے بغیر
دیکھتا ہوں بے کسی میں چہرۂ ہر خویش و غیر
دہر میں پاتا نہیں رازداں تیرے بغیر
ہائے کن پردوں میں مخفی ہو گیا تیرا جمال
چشمِ تر رہتی ہے دائم خوں فشاں تیرے بغیر
شعلے بن بن کر لپکتے ہیں وہاں کے پھول بھی
ہے جہنم کا نمونہ گلستاں تیرے بغیر

کون سُن سکتا ہے میرے دردِ دل کا ماجرا
بات کرنے کو ترستی ہے زباں تیرے بغیر

سینۂ ویراں میں جز اندوہ اب کچھ بھی نہیں
پھونک ڈالا میں نے اپنا آشیاں تیرے بغیر

نغمۂ غم ہو گیا ہے ذرّہ ذرّہ پر محیط
سازِ دل رہتا ہے گویا نوحہ خواں تیرے بغیر

اب جہاں میں کون ہے جو باعثِ تسکیں ہو
رہ گئے ہمدم فقط آہ و فغاں تیرے بغیر

وہ حرارت تُو نے بخشی مجھ کو برقِ حسن سے
قلب میں پاتا ہوں سوزِ جاوداں تیرے بغیر

تُو شریکِ غم نہ ہو تو زہر ہے آبِ حیات
ہے بہاروں میں بھی جلوہ گر خزاں تیرے بغیر

اُف شبِ فرقت میں انجم کا تبسّم تک نہیں
آسماں بھی ہو گیا ماتم کُناں تیرے بغیر
آ، عطا کر قلبِ طارق کو نشاطِ جاوداں
ہو چکا اُس پر حرام آرامِ جاں تیرے بغیر

وینس کا ظہور

(عشقِ وفا شعار اور حُسنِ گریز خُو کا نفسیاتی فیصلہ)

اِک رات ہجر کا تھا اندوہ دل پر طاری
مژگانِ چشمِ تر سے پیہم تھے اشک جاری
میں برقِ سوزِ دل سے بے چین ہو رہا تھا
صبر و سکون یکسر وحشت میں کھو چکا تھا

تاریکیِ فضا پر یہ ظلمتِ جدائی!
ظلمت تو ایک تھی ہی، اِک اور اُس پہ چھائی
یک لخت برق چمکی، تاریکیاں اُڑیں سب
اس روشنی میں چیزیں روشن وہاں ہوئیں سب
میں نے نظر اُٹھائی، منظر عجیب دیکھا
رنگینیوں میں لپٹا پیکر عجیب دیکھا
اک شعر یا کہ شعلہ برپا ہوا چمکتا
یا چاند بادلوں سے نکلا ہے یُوں دمکتا
نکہت تھی، ناز تھا وہ طوفانِ نور تھا وہ
نُورِ طرب فشاں کا گویا کہ طُور تھا وہ
عورت حسین دیکھی، اک مہ جبین دیکھی
خیرہ ہوں جس سے نظریں وہ نازنین دیکھی

گویا کہ حور آئی جنّت سے اس جہاں میں
بھولے سے دخل پایا آ کر مرے مکاں میں
زُلفیں تھیں دوش پر یا سنبل لہک رہا تھا
جس سے فضا میں ہر سُو عنبر مہک رہا تھا
جوشِ شباب و شوقِ اُلفت میں گا رہی تھی
لَے تھی رباب کی سی، فتنے اُٹھا رہی تھی
ریشم کا اِک لباسِ باریک دوش پر تھا
رنگِ شباب جس میں محشر کے جوش پر تھا
جلوت میں اُس کی پریاں تعظیم کو کھڑی تھیں
پھولوں کے لے کے گجرے تکریم کو کھڑی تھیں
یہ پھول رسم تھی اِک، شوکت کا اک نشاں تھا
ہر نقشِ پا ہی اُس کا تصویرِ گلستاں تھا

مینا تھا جسمِ نازک خوں موجِ مے تھا گویا
اِس کیفِ شعریت میں شاعر نے ہوش کھویا
وہ زاویئے جسد کے، اعضاء کی وہ نزاکت
چہرے کی وہ نفاست، رنگت کی وہ لطافت
یُونان کی یہ عظمت گھر کر گئی جگر میں
میلو کا حُسنِ صنعت پھرنے لگا نظر میں
اتنے میں مُسکرا کر میرے قریب آئی
اُمید کی جھلک سی دینے لگی دکھائی
مجھ سے خطاب کر کے یوں گلفشاں ہوئی وہ
ناہید کا سا نغمہ، تسکینِ جاں ہوئی وہ

وینس

خلوت میں ہو رہا ہے اس رات کیوں پریشاں؟
ماحول کیوں ہے تیرا اتنا خراب و ویراں؟
تو اپنے درد و غم کو بے خوف مجھ سے کہہ دے
وجہِ الم بتا دے، پھر درد کی دوا لے!
دیوی ہوں حسن کی میں، وینس ہے نام میرا
دکھیوں کا دکھ بٹاتا دن رات کام میرا

شاعر

اک بت کے ہجر نے یہ صورت بنا رکھی ہے
جوشِ جنوں میں حالت مجنوں سے بھی بری ہے

کیونکر بیاں کروں میں خلوت ہے کیا قیامت
ہم نے تو عشق کر کے پائی فقط مصیبت
نے چاہ نے توجہ ظالم ستا رہا ہے
غم کو مرے بڑھا کر اُلفت گھٹا رہا ہے

ونیس

اے سادہ لوح تیرے احساس میں ہے پستی
سمجھا نہیں ہے تُو نے اُلفت ہیں رازِ ہستی!
ہے تشنگی نظر ہی حسرت کا تیری ساماں
فیاض جب ہے قدرت، تو کیوں ہے تنگ داماں؟
ہیں گُل بہت چمن میں، بُو اُن کی مختلف ہے!
تو اِک پہ مر رہا ہے، اوروں سے منحرف ہے!

قوسِ قزح کے جلوے ہیں کر رہے اشارہ
رنگینیوں میں کھو جا، اک شے سے کر کنارہ!
حُسنِ ازل سے دُنیا معمور ہو رہی ہے
تیری نظر کو کیا ہے، مسحور ہو رہی ہے!
ہے حُسن ایک دریا، اور سب حسین موجیں!
مغلوبِ غم نہ ہونگی، سرکش ہیں اس کی فوجیں
بُلبل جو نوحہ خواں ہے، گُل مجھ سے بیوفا ہے
کم بخت سے یہ پوچھو، بندش میں کیا دھرا ہے؟
خورشید کی ضیاء میں سامان ہے بقا کا
خفّاش کو وہ لیکن پیغام ہے فنا کا
مر جائے وہ خوشی سے، عاشق کو گر ہے مرنا
توہین حُسن کی ہے منظر کا پاس کرنا

وینس بھی پھر رہی ہے، کیوپڈ بھی پھر رہا ہے
یوں حُسن و عشق کا اک دھارا سا گر رہا ہے

زہر آب بھی اِسی میں امرت بھی ہے اسی میں
ذِلّت بھی ہے اسی میں، عزّت بھی ہے اسی میں

جو ہے پسند تجھ کو، وہ قصر ہی بپا کر!
رکھ دل کو اپنے باقی، یا خود اسے فنا کر!

جب مَیں نے حُسن بانٹا، کیوپڈ نے تیر پھینکے
پھر اک ہی چیز کیوں اب عاشق کے دل کو کھینچے؟

ہے حُسن بے نہایت، دل کو بسیط کر لے!
چھوٹے سے اک جہاں میں قلزم محیط کر لے!

جذبات کو تُو کر دے اک ہی صنم سے آزاد
پھر دیکھ، جلد ہو گا رنج و الم سے آزاد!

مفادِ گفتگو

یہ حق کی بات سُن کر شرمندہ ہو گیا دل
قیدِ قفس سے چھُٹ کر تابندہ ہو گیا دل
اِک بُت کا نقشِ باطل سینے سے مٹ چکا ہے
فطرت کے حُسن سے دل رشکِ جناں ہوا ہے
فرحت کی اک فضا میں آباد ہو گیا ہوں
انجم سے کھیلتا ہوں، آزاد ہو گیا ہوں

مخلوط تعلیم

کالج سٹوڈنٹ

کالج اگرچہ جاتا ہوں تحصیلِ علم کو
لیکن وصالِ یار کی مدت سے آس ہے
آخر کسی بہانے تو نظریں لڑا کریں
دل کو شرابِ حسن کی ہر وقت پیاس ہے
اک دن جو اس پری نے کیا مجھ سے "ہینڈ شیک"
اب تک مری زبان پہ حرفِ سپاس ہے
پیشِ نظر جو ہو نہ یہ گلشن کی تیتری
کالج کی زندگی ہی سراسر اداس ہے

دیتے ہوئے کتاب، کلائی کو چھیڑیے
وہ معترض ہوں جب تو یہ کہئے "مساس" ہے!

لعلیں لبوں سے وہ کبھی دُشنام بھی جو دیں
کھا لیجئے کہ شہد کی اس میں مٹھاس ہے

بیتے اُسی میں عمر، وہ ہیں جس کلاس میں
مجنوں کے واسطے تو یہ پہلی کلاس ہے

دیدِ جمالِ دوست ہے دُنیا کی سروری
جب یار ہو بغل میں تو کس کا ہراس ہے

شاعر

صحرا کو چھوڑ کر ہوا کالج میں خیمہ زن
مجنوں! ترے فراق میں جنگل اُداس ہے

جب حُسن و عشق مِل گئے، پڑھنے سے کیا حصول؟
تارِ نظر سے وصل کی دونوں کو آس ہے!

اخلاق اس کلاس میں کیونکر رہیں درست
"لَو" آگ کا ہے شعلہ تو "بیوٹی" کپاس ہے

ہر دن نئی ہی بیوی کی تجھ کو لگی ہے دُھن
بُڑھیا کوئی بھی دیکھئے، وہ تیری ساس ہے

لڑکی میں شرم و عصمت و عفّت ہوئے فنا
لڑکے کے والدین کو لڑکے سے یاس ہے

فرحت کو ڈھونڈتے ہو ہوس کے جنون میں
حالانکہ ضبطِ نفس پہ اس کی اساس ہے

کیا فائدہ ہے علم کا جب تک عمل نہ ہو
یوں تو وہ ایم۔ اے ہے، یہ بی۔ اے میں پاس ہے

انسانیت جو چاہئے ۔ قراں سے لے سبق
تجھ سے مریض کو تو یہ نسخہ ہی راس ہے

آنسو

پردۂ چشم میں گو رہتے ہیں پنہاں آنسو
شورشِ عشق سے بن جاتے ہیں طوفاں آنسو
جب یہ بہ جائیں تو ہوتا ہے مسرت کو فروغ
اور نہ بہ جائیں تو کرتے ہیں پریشاں آنسو
جو مری اشک فشانی پہ ہنسا کرتے تھے
ان کی آنکھوں میں بھی ہونے لگے رقصاں آنسو

محفلِ حُسن میں ہے ضبط و تحمّل بے سُود
کر گئے رازِ محبّت کو نمایاں آنسُو

جُوئے خوں جب کہ رواں رہتی ہو آنکھوں سے مری
کیوں بنائیں نہ بیاباں کو گلستاں آنسُو

جس قدر دردِ محبّت کا ہو محرم انساں
قلب کو کرتے ہیں اُتنا فروزاں آنسُو

پیرِ کنعاں کا سا ایمان تو پیدا کرلے
بن ہی جائیں گے ہر اک درد کا درماں آنسُو

کون جیتا تھا شبِ ہجر کی تاریکی میں
کر گئے گھر کو مرے آکے چراغاں آنسُو

ہنسنے والوں نے کبھی رو کے تو دیکھا ہوتا
ایک حیواں کو بنا سکتے ہیں انساں آنسُو

خواہشِ نفس کی خاطر ہوں تو ننگِ ہستی
خوفِ حق سے ہوں تو ہیں گوہرِ غلطاں آنسو
زیب و زینت کے لئے اُن کو تھے موتی درکار
ہیں لُٹانے میں سخی اس لئے مژگاں آنسو
یوں بہا اشک کہ ہو بار بھی گریاں طارقؔ
ورنہ سَو بار اُٹھایا کئے طوفاں آنسو

غلط فہمیاں

موجۂ دُودِ رواں کو آسماں سمجھا تھا میں
اِک بگولا تھا جسے اپنا جہاں سمجھا تھا میں

ذوقِ سجدہ میں ذرا میرے جنوں کی شان دیکھ
اپنی پیشانی کو تیرا آستاں سمجھا تھا میں

دل کی بے چینی نے میرے راز سب افشا کیئے
آہ اس دشمن کو اپنا راز داں سمجھا تھا میں

دَیر میں بُت کی پرستش پر فدا پایا گیا
جس کو ناموسِ حرم کا پاسباں سمجھا تھا میں

جب بہ چشمِ غور دیکھا حشر تھا مجھ میں نہاں
اس پہ بھی اپنے کو زار و ناتواں سمجھا تھا میں

عجزِ ہمت سے کوئی یاں گر گیا، کوئی وہاں
سوئے منزل دوستوں کو ہم عناں سمجھا تھا میں

عشق نے مجھ کو کیا سِرِّ ازل سے آشنا
عقل ہی کو ہوشیار و نکتہ داں سمجھا تھا میں

الاماں! صیّاد بھی ہے آشیاں کی گھات میں
برق ہی کے امتحاں کو امتحاں سمجھا تھا میں

حُسن کے مہتاب نے طوفان برپا کر دیا
قلب کی دُنیا کو بحرِ بے کراں سمجھا تھا میں

عشقِ بُلبل رہ گیا گُلشن میں محدودِ گلاب
شوق کی وسعت میں اُس کو ہم زباں سمجھا تھا میں

رُوح میری کونسی منزل پہ تسکیں پائے گی
عرش کو لے دے کے اپنا آشیاں سمجھا تھا میں

کُفر کا بندہ تھا اور در پردہ مِلّت کا عدُو
سادگی سے جس کو میرِ کارواں سمجھا تھا میں

بعدِ مُردن بھی ہیں مشتاقِ نمو کتنے حسیں
آہ اس منظر کو اب تک گلستاں سمجھا تھا میں

موت ہی نے آکے توڑا دہرِ فانی کا طلسم
ورنہ فانی کو بھی اب تک جاوداں سمجھا تھا میں

نفس کا پردہ اُٹھانے سے ہُوا وہ بے نقاب
سات پردوں میں اُسے اب تک نہاں سمجھا تھا میں

جن حوادث سے ہوئی تکمیل تعمیرِ حیات
وائے نادانی انہیں وجہِ زیاں سمجھا تھا میں

آخرش طارق وُہی لایا بہاروں کا پیام
اِس چمن میں جس کو طوفانِ خزاں سمجھا تھا میں

فیضِ بہار

فیض اپنا دستِ قُدرت نے نمایاں کر دیا
چھُو دیا جس خار کو اُس کو گلستاں کر دیا

مستیاں دے کر بنائی سازِ ہر موجِ صبا
طائروں کو اُس کی تانوں پر غزل خواں کر دیا

صرف پھُولوں کے لئے خندہ نہیں لائی بہار
بلکہ ہر پیر و جواں کو اُس نے خنداں کر دیا

رنگ و نکہت کے خزانے جس قدر تھے زیرِ خاک
وسعتِ عالم میں اُن سب کو پریشاں کر دیا

شاہدِ قدرت کے جلوے تھے نہاں زیرِ نقاب
چشمِ عالم پر انہیں فطرت نے عریاں کر دیا
لشکرِ دے کو شکست فاش دی اس شان سے
اس کے خوں سے لالہ زاروں کو فروزاں کر دیا
ولولے دے کر نئے تعمیر کے، تسخیر کے
طائرِ ہر قلب کو سینے میں رقصاں کر دیا
نکہتوں سے اس قدر پایا مسرّت نے فروغ
دہر کے ہر ذرّہ کو مستی سے رقصاں کر دیا
جو خزاں کے جور سے رہتے تھے مغموم و اُداس
حسنِ گلشن نے انہیں روحِ بہاراں کر دیا
بلکہ جو منکر تھے فیضِ معنوی کے اے ندیم
اُن کو بھی قدرت نے بہرِ حق ثنا خواں کر دیا

نعتیں

نعتیں

خدا کی ہے اطاعت سر بسر طاعت محمدؐ کی
عمل قرآن کا ہے اصل میں بیعت محمدؐ کی

محمدؐ اور احد جب ہیں ازل سے لازم و ملزوم
خدا بھی مل گیا جس کو ملی اُلفت محمدؐ کی

شجاعت ہے کہ تنہا ہو کے دُنیا پر ہُوا فاتح
قمر کو کر دیا ٹکڑے، یہ ہے طاقت محمدؐ کی

کوئی تو طُور پر بے ہوش تھا اک ہی تجلّی سے
خدا کے رُو برو ہونا بھی تھی ہمّت محمدؐ کی

نبیؐ آیا، طبیعت میں عظیم اخلاق بھی لایا
صفت اللہ کی سمجھو جو ہے خصلت محمدؐ کی!
بجز خالق نبیؐ کی شان کو سمجھے گا کیا کوئی
کہ ہے قرآن خود اک بہترین سیرت محمدؐ کی
وہ سر کیا سر کہ جس سر میں نہیں سودا محمدؐ کا
وہ دل کیا دل کہ جس دل میں نہیں اُلفت محمدؐ کی
جو چاہو سیر جنّت کی حدیثیں کھول کر دیکھو
کھُلی ہے بہرِ مومن ہر گھڑی جنّت محمدؐ کی
فقط اک جست میں ساتوں فلک کی سیر کر ڈالی
کوئی معراج میں دیکھے ذرا رفعت محمدؐ کی
جہاں کے فلسفی ہیں خوشہ چیں اس ایک خرمن کے
قیامت تک ہے زندہ دانش و حکمت محمدؐ کی

ہے دل مومن کا اک آئینہ اخلاقِ پیمبرؐ کا
دلِ مومن ہی میں ہے منعکس صورت محمدؐ کی
حُباب زندگانی کا بھروسہ کیا ہے اے طارق
عمل سے کر لے جتنی ہو سکے خدمت محمدؐ کی

صحابہؓ کو بنایا جب خدا کا راز داں تُونے
گداؤں کو کیا اُٹھ کر شہنشاہِ زماں تُونے
خزاں کے خوف سے آزاد ہے دل مردِ مومن کا
کر دی اُمّت کو قرآں میں بہارِ جاوداں تُونے
ترے قدموں میں آخر گر پڑے تھے قیصر و کسریٰ
صداقت سے مسخّر کر لیا سارا جہاں تُونے
خدا بینی خدا جوئی کی ہم کو آرزو دے کر
کئے ہیں قیدِ باطل سے رہا قلب و زباں تُونے

بقائے حق کی خاطر جان تک قربان کر ڈالی
بنائے تھے حرم کے چند ایسے پاسباں تُو نے

خدائی قوّتیں جس راز سے پیدا ہیں انساں میں
وہ رازِ سرمدی عالم پہ کر ڈالا عیاں تُو نے

تری پروازِ رُوحانی پہ حیراں ہیں نبی سارے
کہ طے کر ڈالے اک لمحے میں ساتوں آسماں تُو نے

جہاں کے فلسفی ہیں خوشہ چیں تیرے ہی خرمن سے
حدیثوں میں کیئے حکمت کے وہ نُکتے بیاں تُو نے

جو تھا پردوں میں مخفی سب نے نظّارے کیئے اُس کے
کہ ہر ہستی میں دکھلایا نشانِ بے نشاں تُو نے

تری دُنیائے ایماں میں نہیں شک کا کوئی ذرّہ
یقیں سے محو کر ڈالا ہے ہر وہم و گماں تُو نے

فضیلت کے لئے تیری یہی اک چیز کافی ہے
عیاں دُنیا پہ قرآں کا کیا گنجِ نہاں تُو نے

اس دُنیا کو جب لا کے دیا تھا قرآں کملی والے نے
ہر کافر کو تفویض کیا تھا ایماں کملی والے نے

باطل کو جب اُس نے مٹایا عالم کے ہر کونے سے
مار بھگایا کعبہ سے بھی شیطاں، کملی والے نے

جنّت میں بچا کر لایا ہے وہ اس کو تارِ دوزخ سے
کیا خوب کیا ہے اُمّت پر یہ احساں کملی والے نے

بدکاری تھی، میخواری تھی اور ظلم تھا ساری دھرتی پر
قرآں سے کیا حیوانوں کو بھی انساں کملی والے نے

جب عہدِ بلیٰ "سب بھول چکے تھے ہستی کی اس مستی میں
بندوں کو ازل کا یاد دلایا پیماں کملی والے نے

کفار زمیں بھی زر بھی زن بھی لائے اس کی خدمت میں
حق پر سب کچھ کر ڈالا تھا قرباں کملی والے نے

بے نورِ محمدؐ ظلمت ہی جب قلبِ بشر پہ طاری تھی
ہر گوشۂ عالم کر ڈالا تھا رخشاں کملی والے نے

ڈر تھا حشر کا ہم کو بے حد، لیکن لطفِ شفاعت سے
منزل حشر کی بھی کر دی ہے آساں کملی والے نے

لوحِ محفوظ میں منقوش تھی عظمت تیری
رحمتِ حق ہی کا اظہار تھا رحمت تیری

مقتدی تیرے بنے آ کے پیمبر سارے
روزِ اوّل سے مقدر تھی امامت تیری

ہو کے تنہا بھی ترا عزم تھا سب پر فاتح
جملہ تاریخ میں یکتا ہے شجاعت تیری

یوں پیمبر تو بہت آئے ہدایت کے لئے
اُن کی ہستی میں بھی رخشاں تھی رسالت تیری

تُو نے ہی کر دئے صدّیق سے صادق پیدا
کیسے اعجاز کی حامل تھی صداقت تیری

اہلِ باطل بھی کراتے تھے تجھی سے انصاف
پرتوِ عدلِ الٰہی تھی عدالت تیری

تُو نے پامال کئے انجم و مہر و مہتاب
منکشف سب پہ ہے معراج سے رفعت تیری

مالکِ باغِ جناں اور عبادت دن رات
بہرِ تعلیمِ مسلماں تھی عبادت تیری

دوست تو سب تری عفت کے ہیں قائل دل سے
دشمنِ حق کو بھی تسلیم ہے عفت تیری

ہو کے "رحمت" بھی تری ذات میں کتنا ہے جلال
کُفر پہ آج تلک طاری ہے ہیبت تیری
سر وہ برباد ہو جس میں نہیں سودا تیرا
دل وہ جل جائے نہیں جس میں محبّت تیری
خامہ طارقؔ کا تری شان جو کرتا ہے بیاں
اس کی جولانی کا باعث بھی ہے اُلفت تیری

خدا جانتا ہے مقامِ محمدؐ
رَفَعْنا میں دیکھو دوامِ محمدؐ
محمدؐ نہ ہوتا تو دُنیا نہ ہوتی
ہے تفسیرِ لولاک نامِ محمدؐ
حدیثیں ہیں معمور حکمت سے اس کی
پیو خوب بھر بھر کے جامِ محمدؐ

خدا اور فرشتے بھی ہیں اُس کے ذاکر
کرو ذکر میں التزام محمدؐ

وہ اِک لمحہ بھر میں سرِ عرش پہنچا
نرالا ہے سب سے خرام محمدؐ

کوئی دل سے قائل تو کوئی زباں سے
جہاں کی ہے ہر قوم رامِ محمدؐ

سعادت ہے دارین کی دینِ فطرت
نظامِ ابد ہے نظامِ محمدؐ

مٹے گا نہ اسلام اے کُفر تجھ سے
کہ کندہ ہے ہر دل پہ نامِ محمدؐ

دُنیا کو پھر دکھا دے شجاعت رسولؐ کی
ہر فرد کے ہو دل پہ حکومت رسولؐ کی

کر محو امتیاز امیر و غریب کا
یہ راز کھولتی ہے عدالت رسولؐ کی

عشقِ نبیؐ میں اپنے مصائب کو بھول جا
ہر درد کی دوا ہے محبّت رسولؐ کی

پتّھر ہوں گرچہ پیٹ پہ ایمان کو نہ بیچ
تیرے لئے مثال ہے غیرت رسولؐ کی

حق سے تجھے نہ پھیرے دو عالم کا مال و زر
پیغام دے رہی ہے صداقت رسولؐ کی

تیغ و تبر تھے دن میں تو راتوں میں تھی نماز
دُنیا بھی دین بھی ہے عبادت رسولؐ کی

پھر چاہتا ہے گر تو صحابہؓ کی عزّ و شان
کر آج بھی قبول امامت رسولؐ کی

طارق نہ ڈر گناہ کی کثرت سے حشر میں
بیڑا کرے گی پار شفاعت رسولؐ کی

وصالِ خدا ہے خیالِ محمدؐ
دو عالم کی رونق جمالِ محمدؐ

وہ اک ہی نفس میں سرِ عرش پہنچا
اسی سے ہے ثابت کمالِ محمدؐ

خدا بولتا ہے حدیثِ نبیؐ میں
ہے حکمت کا مخزن مقالِ محمدؐ

دلِ مردہ کی اُس سے ہے زندگانی
رکھو زندہ تم قیل و قالِ محمدؐ

تصوّر میں اُس کے کرو سیرِ فردوس
خیالِ جناں ہے خیالِ محمدؐ

وہ رحمت سراپا امام انبیا کا
نہیں ہے ازل سے مثالِ محمد
مٹا کفر و باطل کی تاریکیوں کو
دکھا دے جہاں کو جلالِ محمدؐ

اسوۂ حسنہ

فیضِ احمد ہی سے پایا رُوحِ مومن نے صعودؔ
اور محمدؐ ہی کی خاطر دہر نے پایا وجود
وہ نہ ہوتا تو نہ ہوتا عالمِ بُود و نبودؔ
خالق و مخلوق پڑھتے ہیں محمدؐ پر دُرود

مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تو ہوگا ارجمند

نورِ مہر و مہ کو ارزاں کر گیا جس کا جمال
اب تلک ہے کفر پہ چھایا ہوا جس کا جلال
بُت کدوں پر جس کی اک ٹھوکر سے طاری تھا زوال
جس کو سجدہ کر رہا ہے آج بھی جھک کر ہلال
مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تو ہوگا ارجمند

سینہ جس کا حکمتوں کا ہے مہکتا گلستاں
جس کے ہے اخلاق میں پنہاں بہارِ جاوداں
ایک لمحہ میں کئے طے جس نے ساتوں آسماں
عرش پر جا کے ہوا تھا جو خدا سے ہم زباں

مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تُو ہوگا ارجمند

جس کی اُمّت بن گئی اقوامِ عالم کی امام
جس کی اُمّت کا ثریّا سے بھی بالا ہے مقام
جس کی اُمّت کو ہے حاصل حشر تک رُوحِ دوام
جس کی اُمّت کا فرشتوں کی زبانوں پر ہے نام

مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تُو ہوگا ارجمند

وہ کہ جس کا مرتبہ ہے رحمۃ للعالمیں
وہ کہ صورت کی طرح سیرت بھی تھی جس کی حسیں
کفر کی ظلمت میں لایا تھا جو قندیلِ یقیں
قیصر و کسریٰ نے جس کے در پہ رکھ دی تھی جبیں

مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تو ہو گا ارجمند

سامنے جس حُسن کے شرمندہ ہے حُسنِ بہار
سامنے جس فقر کے جھکتے ہیں سارے تاجدار
عزم پر غالب نہ آیا جس کے جورِ روزگار
جو تھا میدانِ شجاعت کا اکیلا شہسوار

مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تو ہو گا ارجمند

جملہ نبیوں سے سوا جس کو ملا خُلقِ عظیم
جو صداقت اور عدالت میں تھا اک دُرِّ یتیم
تھا گریزاں جس کے سائے سے بھی شیطانِ رجیم
کفر پر قہار اور مومن پہ غفار و کریم!

مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تو ہو گا ارجمند

جان پر کھیلا مگر کی بے وفاؤں سے وفا
گالیاں سُن کر بھی دی تھی جس نے دشمن کو دُعا
کنکروں نے جس کے ہاتھوں میں کیا ذکرِ خدا
وارثِ جنّت بھی ہو کر حق سے جو خائف رہا
مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تو ہو گا ارجمند

اک اشارے سے کیا تھا جس نے دو ٹکڑے قمر
دیکھتی تھی فرش سے تا عرش جس کی ہر نظر
سنگ ریزوں کو کیا جس کی اطاعت نے گہر
جس نے باطل کو کیا اک ضرب سے زیر و زبر

مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تو ہو گا ارجمند

بہرِ ناموسِ خدا لایا تھا جو حکمِ جہاد
نعرۂ تکبیر سے جس نے مٹائے سب فساد
دُشمنِ جانی سے بھی رکھا نہ جس نے کچھ عناد
خدمتِ دیں کی، مگر چاہا نہ کچھ ذاتی مفاد
مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تو ہو گا ارجمند

بخششِ اُمّت کے غم میں جو رہا دائم اُداس
محو جس نے کر دیا لاتقنطوا سے ہر ہراس
فقر پہ تھا فخر جس کو اور فقیروں ہی کا پاس
مالکِ ہر دو جہاں اور تن پہ درویشی لباس

مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تو ہو گا ارجمند

ہو کے اُمّی بھی تھا وہ علم و عمل میں بے عدیل
جرأت و اخلاص میں پائی تھی میراثِ خلیلؑ
"اُمّتِ وسطیٰ" ہے اب بھی جس کی عظمت پر دلیل
جنّ و انساں کی زباں پر جس کا ہے ذکرِ جمیل
مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تو ہو گا ارجمند

جس کو خود اللہ کہتا ہے ہدایت کا چراغ
گنجِ حکمت کا ازل سے جس کا مخزن تھا دماغ
اسمِ حق کے ورد سے سینہ تھا جس کا باغ باغ
فکرِ عقبیٰ میں رہا آلامِ دُنیا سے فراغ

مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تُو ہوگا ارجمند

اک نفس میں کر دیئے تھے چاک پردے سات سات
مالکِ فردوس تھا، لیکن عبادت رات رات
خوفِ حق کی ترجمانی کر رہی ہے بات بات
وہ عنایت وہ کرم، محوِ ثنا ہے پات پات
مسلکِ روشن پہ اس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تُو ہوگا ارجمند

جس کی خود خالق کو تھی روزِ ازل سے جستجو
جس نے کی مثلِ کماں مِل کر خدا سے گفتگو
ہر نبیؑ کو جس کی اُمّت ہونے کی تھی آرزو
نسلِ انسانی نے پائی جس کے دم سے آبرو

مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تُو ہو گا ارجمند

وہ کہ جس کے عشق سے طارق کے دل میں جان ہے
وہ کہ جس کے فیض سے یہ صاحبِ ایمان ہے
وہ کہ جس کے خلق کی تفسیر خود قرآن ہے
وہ "رَفَعْنا" سے نمایاں جس کی شان و آن ہے

مسلکِ روشن پہ اُس کے ہو مسلماں کاربند
دین و دُنیا کی سعادت سے تُو ہو گا ارجمند

رباعیات

ایمان سے معمور جو سینہ ہوگا
لعل و دُرِ حکمت کا خزینہ ہوگا
جس شخص کو معلوم ہے رازِ ہستی
طوفاں میں سدا اُس کا سفینہ ہوگا

قرآن کو کر ضبط، مسلماں ہو جا
باطل کے لئے شعلۂ سوزاں ہو جا
ذرّوں کو جلا دے کے بنا دے خورشید
قطرات کے ہیجان سے طوفاں ہو جا

ہے مرد تو ہمّت سے وفا کرتا جا
ہر لمحہ نیا حشر بپا کرتا جا
منزل ہے فقط عُذر تن آسانوں کا
پرواز میں منزل کو فنا کرتا جا

رکھتے ہیں بڑا مرتبہ تسبیح و دُعا
برتر ہے مگر اِس سے مقامِ شہدا
اِک خوں سے وضو کرتا ہے اِک پانی سے
ہوتا ہے مگر خُوں سے ادا حقِ وفا

حق بات کو لوگوں میں عیاں کرتا رہ
کٹ جائے زباں پھر بھی بیاں کرتا رہ
کھا کھا کے حوادث کے جہاں میں نشتر
اُمید کو سینے میں جواں کرتا رہ

ہر شے سے نمایاں ہے جلالِ ہستی
حسرت نہیں دُنیا میں مآلِ ہستی
کثرت ہے مصائب کی تو مایوس نہ ہو
خوں پی کے ہی پھل دیگا نہالِ ہستی

جب راہِ عمل میں کوئی ڈٹ جاتا ہے
کہسار بھی آجائے تو ہٹ جاتا ہے
تسخیر وہ اعجاز ہے جس سے طارق
تقدیر کا پانسہ بھی پلٹ جاتا ہے

جب حُسن و محبّت میں وفا ہوتی ہے
ہر سانس میں اک رُوحِ بقا ہوتی ہے
انسان ہو جب عزم و یقیں میں کامل
جو شے بھی مخالف ہو، فنا ہوتی ہے

رہتی ہے ملول طبع اکثر غم سے
آزاد کرو دِل کو فکرِ بیش و کم سے
جُز ذکرِ خدا نہیں ہے غم کا دارُو
ہے رُوح میں کچُھ دم تو اسی کے دم سے

جب حق پہ کوئی شخص فدا ہوتا ہے
دُنیا پہ عیاں رازِ بقا ہوتا ہے
عارف کی ہے مُٹھّی میں رضائے خالق
اِک وقت میں بندہ بھی خدا ہوتا ہے

مسلک ہے تری عقل کا بس مکر و حیل
احساس پہ طاری ہے سدا خوفِ اجل
ہے بازیِ طفلانہ مگر عشق کو موت
روشن ہے فقط خون سے دستورِ عمل

دُنیا کی ہوس میں جو پھنسا رہتا ہے
وہ شخص مصائب میں گھرا رہتا ہے
جس دل میں مگر زندہ ہے یادِ خالق
اُس دل سے غمِ دہر جُدا رہتا ہے

دُنیا کو کہیں جسم تو جاں ہے مومن
اللہ کی گویا کہ زباں ہے مومن
مومن جو نہ ہوتا تو نہ ہوتا کچھ بھی
مقصودِ ضمیرِ کُن فکاں ہے مومن

آئینہ ایّام کا جوھر تُو ہے!
جبریل سے اوصاف میں بہتر تُو ہے!
ہر قوم ہوئی جوشِ ہوس میں گمراہ
اس دَور میں اقوام کا رہبر تُو ہے!

ایماں کی قوّت سے ہے تُو بیگانہ
قسمت کا سُناتا ہے مجھے افسانہ
ویرانہ ہے گو دہر نظر میں تیری
تسخیر سے آباد ہے یہ ویرانہ

ایمان کی تلقین ہے ہستی کا مفاد
دیتی ہے سکوں قلب کو اللہ کی یاد
جس طرح ہے فصد سے خونِ فاسد
عنصر کو یُونہی شر کے مٹاتا ہے جہاد

ہے نورِ یقیں ظلمتِ باطل میں چراغ
مغلوب نہیں کُفر سے مومن کا دماغ
ہیں عرش کے ماحول میں کچھ اور جہاں
ایماں کی تجلّی سے لگا اُن کا سراغ

باعث تری ذلّت کا ہے عذرِ تقدیر
فطرت کا ہے قانون ازل سے تسخیر
جب مرکبِ ہمّت کو کرے تو مہمیز
پروین و ثریّا بھی ہوں تیرے نخچیر!

اللہ کی جس شخص نے اُلفت پائی
دُنیا میں بھی عقبےٰ میں بھی عزّت پائی
جس قوم نے قرآں کو بنایا رہبر
اُس قوم نے ہر دل پہ حکومت پائی

ہے علم بھی بے شک سرِ انسان پہ تاج
پاتی ہے خودی مگر "عمل" سے معراج
توحید میں اخلاص میں کامل ہو کر
درویش بھی لے سکتے ہیں شاہوں سے خراج

گو بزم میں ہے عشق و محبّت کا جمال
اور عیش کے سامان ہیں فردوس مثال
ہے "رزم" مگر قوّتِ فطرت کی امیں
جب رزم ہو نابود تو آتا ہے زوال

خنداں ہو کہیں برق تو خنداں ہوں میں
گریاں ہو کہیں ابر تو گریاں ہوں میں
رہبر مرے جذبات کے ہیں ارض و سما
فطرت کے اشارات پہ رقصاں ہوں میں

گرداب میں لا پھینک سفینہ اپنا

بڑھ بڑھ کے لڑا موج سے سینہ اپنا

خطرات میں مخفی ہے حیاتِ جاوید

جا ڈھونڈ سمندر میں دفینہ اپنا

آفات نے گھیرا ہے تو رونا کیوں ہے؟

اور یاس میں اُمید کو کھوتا کیوں ہے؟

ایمان سے تقدیر کو کر لے مغلوب

تقدیر سے مغلوب تُو ہوتا کیوں ہے؟

عزّت نہ ملے جس سے وہ شوکت کیسی؟
محکوم جو رہ جائے وہ کثرت کیسی؟
افراد کی غیرت سے ہیں قومیں زندہ
غیرت نہ ہو جب فرد میں، ملّت کیسی؟

مہتاب کے جلوے سے ہیں انجم زائل
ہے چاند بھی سورج سے فنا پر مائل
سورج بھی سرِ شام لحد میں سویا
ہونا پڑا ناچار "خودی" کا قائل

جس مرد کو حاصل ہو یہاں فقرِ غیور
گنجینۂ قارون سے رہتا ہے نفور
آتش سے بھی خائف نہ ہوئی رُوحِ خلیل
فطرت ہے مسلمان کی خوددار و جسُور[1]

غیرت ہے مسلمان کی عریاں شمشیر!
ایمان پہ غالب نہیں قید و زنجیر
دُنیا ہی پہ حاوی نہیں میرے پھندے
بنتے ہیں مہ و مہر بھی اکثر نخچیر[2]

جب طبع میں اندازِ جنوں پاتا ہوں
جبریل کو اک صیدِ زبوں پاتا ہوں
جس جام میں خواجہ نے انڈیلی ہے شراب
اُس جام میں مزدور کا خوں پاتا ہوں

ایمان کو جب دل میں رواں پاتا ہوں
ہر قطرۂ خوں کو بھی جواں پاتا ہوں
جب جوش میں آجائے تصوّر میرا
دوزخ کو بھی اِک باغِ جناں پاتا ہوں

توحید سے حاصل ہے تجھے نورِ یقیں
معمور ہے ہیبت سے ترا نقشِ جبیں
ایماں کی قسمت میں ہے خالق کا جلال
ہے دہر میں مومن ہی خلافت کا امیں

کیوں ہو گئے اب رزم کے ہنگامے خموش
کر گنبدِ دوّار میں پھر پیدا خروش
ہے نعرۂ مستانہ ترا برقِ تپاں
ایماں میں ہے محشر و طوفان کا جوش

ظاہر کی محبّت سے جُدائی بہتر
مطلب کی وفا سے بے وفائی بہتر
غیرت کی، عدالت کی، شرافت کی قسم
محتاجی کافر سے گدائی بہتر

جو دین سے عاری ہو، سیاست کیا ہے
ایمان نہیں جس میں، وہ قوّت کیا ہے
ہو دل پہ حکومت تو حکومت کہئے
جسموں کی حکومت میں حکومت کیا ہے

اِنسان کو غفلت میں گھرا پاؤ گے
ہر سمت گناہوں کی وبا پاؤ گے
جس قوم پہ غالب رہا عورت کا فسوں
اُس قوم کو دو دن میں فنا پاؤ گے

دی ہاتھ میں اُس کے جو سیاست کی لگام
ہر چیز میں بن بیٹھی ہے عورت ہی امام
جس مرد کے جذبات ہوں زن سے محکوم
ہے جسم میں ملّت کے یقیناً وہ جذامؔ

اک حشر زمانے میں اُٹھانا ہے تجھے
مُردوں کو تہِ خاک جگانا ہے تجھے
ایماں سے تیرے ہے قیامِ ہستی
دُنیا کو مُسلمان بنانا ہے تجھے

ہے جرأت و تسخیر ہی مقصودِ حیات
غالب ہے مگر تجھ پہ سدا خوفِ ممات
مِٹتا نہیں یہ خوف بلا سوزِ یقیں
ایماں کی قوّت سے ہے فطرت کو ثبات

وحدت میں فنا ہو کے بقا کو پالو
پیدا جو کرو درد، دوا کو پالو
لائق نہیں اُس شاہ کے جائے ناپاک
دل کو جو کرو پاک، خدا کو پالو!

افواجِ غم و یاس میں محصوؐر ہے تو
اور کُفر کے ہر حکم سے مجبور ہے تُو
کیوں دہر کو کرتا نہیں اُٹھ کر تسخیر
از جانبِ حق دہر پہ مامور ہے تُو!

قرآن سے سینے کو فروزاں کرلو
ہر ذرّہ کو اِک مہرِ درخشاں کرلو
ایمان وہ اعجاز ہے جس سے طارقؔ
آتش کو بھی چاہو تو گلستاں کرلو!

ثروت سے عیاں ہوتا ہے قوموں کا جلال
غیرت کے لئے موت ہے افلاس و سوال
انسان کی عظمت کو نہ سمجھو جب تک
اللہ کی پہچان ہے اِک امرِ محال

بزدل کے لئے موت ہے خوفِ اجل
اور صاحبِ ہمّت ہے سدا مستِ عمل
تقدیر کی پستی کا ہے رونا کیسا
تسخیر سے تقدیر کی رفتار بدل!

ہے فکر میں انسان کی فطرت کا کمال
اور ذکر میں ہے رُوحِ خدائی کا جلال
مل جائیں جو ذکر و فکر باہم اے دوست
آجاتا ہے باطل کے جہاں میں بھونچال

فطرت کی بلندی کو نمایاں کر دے
ہر قطرۂ ناچیز کو طوفاں کر دے
ایمان ہے محکم تو ہراساں کیوں ہے؟
آتش کو بھی چاہے تو گلستاں کر دے

ایمان سے قوموں میں جلال آتا ہے
اخلاق میں خالق کا جمال آتا ہے
ہو نشۂ قوّت میں نہ دیں سے باغی
لا دین سیاست سے زوال آتا ہے

جس شخص کے سینے میں خدا ہوتا ہے
وہ راہِ خُدا ہی میں فنا ہوتا ہے
مت لفظِ "فنا" بول زبانِ گستاخ!
وہ مر کے بھی پیغامِ بقا ہوتا ہے

شاہیں کے نصیبوں میں بلندی آئی
خفّاش کی تقدیر میں پستی آئی
دیتے ہیں ہر اِک چیز بقدرِ ہمّت
جس ظرف میں مے جتنی سمائی، آئی

رو رو کے جہنّم سے ڈرانے والو
الفاظ میں فردوس دکھانے والو
آزادی ہے جنّت تو غلامی دوزخ
حق بات کہو حق کو چھپانے والو

فطرت نے جو بخشا ہے، دیئے جاتا ہوں
دشمن سے بھی احسان کیئے جاتا ہوں
سو بار ہُوا چاک گریباں میرا
ہنس ہنس کے مگر اس کو سیئے جاتا ہوں

جب قوّتِ ایمان عیاں ہوتی ہے
مومن کی نظر تیغ و سناں ہوتی ہے
مرنے سے ڈراتا ہے ہمیں کیا واعظ
مَر مَر کے ہر اک قوم جواں ہوتی ہے

مقصد تری کوشش کا جو منزل ہوگی
منزل ہی عمل کے لئے قاتل ہوگی!
ہے "ہجر" میں ہستی کا تسلسل اے موج
مر جائے گی جب واصلِ ساحل ہوگی!

پانی کی جگہ شراب پینے والو!
مزدور کا خوں چوس کے جینے والو
ہر موج مٹا دے گی تمہاری نخوت
ہے جوش میں طوفان سفینے والو!

ہستی کے سفر میں کئی طوفاں دیکھے
آفاتِ بلاخیز و بیاباں دیکھے
ہر زخم لیا سینہ پہ ہنس ہنس کے مگر
ہر خار میں پوشیدہ گلستاں دیکھے

حق بات کہ دُنیا میں کہے جاتا ہوں
اِس جُرم میں جو دُکھ ہو سہے جاتا ہوں
ایمان کے قبضے میں ہے میرا منبع
جس رُخ وہ بہائے میں بہے جاتا ہوں

اے اہلِ خرد عشق کی مَستی دیکھو!
مَستی میں عیاں جلوۂ ہستی دیکھو
جب عقل ہوئی حضرتِ انساں کی امام
اس دَور میں اخلاق کی پستی دیکھو!

جس قوم میں فرقوں کی وبا پاؤ گے
اُس قوم کو دو دن میں فنا پاؤ گے
فرقوں کو مٹائے گا فقط علمِ کتاب!
قرآن میں تم رازِ بقا پاؤ گے!

تنظیم سے محروم ہے مُسلم کی حیات
ہر فرقہ ہے مِلّت کے لئے لات و منات
نفرت کے مسائل کو فنا کر غافل!
اب وحدت و اُلفت میں ہے اُمّت کی نجات

ہر بزم میں اغراض کے بندے پائے
ہر راہ پہ شیطان کے پھندے پائے
اخلاص کا تھا جن کے دلوں میں پرتو
جب غور کیا، حرص سے گندے پائے

فطرت کے خزانوں کو لُٹانا سیکھو
گرتے ہوئے انساں کو اُٹھانا سیکھو
توڑے تو بہت دل ہیں زباں سے تُم نے
ٹُوٹے ہوئے دل کو بھی بنانا سیکھو

حاشیہ و حل لغات

صفحہ ۵ ۔ لہ ارشادِ رسولؐ :۔ اَلفَقرُ فَخرِی ۔
"میرا فقر میرے لئے باعثِ فخر ہے" ؛
ﷺ اشارہ ہے اس آیہ شریفہ کی جانب : وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

صفحہ ۶ ۔ لہ اشارہ ہے معجزۂ شق القمر کی جانب ؛
ﷺ تلمیح بآیہ شریفہ : وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۔ "اے نبیؐ! جب کفار پر آپ نے کنکر پھینکے، تو آپ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت نے وہ کنکر پھینکے ؛

ﷺ اشارہ مقصود ہے اس آیہ شریفہ کی جانب: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ "اے پیغمبر! جو لوگ تیری بیعت کر رہے ہیں وہ بلاشبہ اللہ کی بیعت کر رہے ہیں ؛

ﷺ اس مصرع میں اشارہ کیا گیا ہے اس آیہ شریفہ کی طرف : قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ۔ "اے نبیؐ! ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری اطاعت اور پیروی کرو ۔ پھر خدا تم سے محبت کرے گا ؛

ﷺ معراج کی رات جب آنحضرتؐ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) میں تشریف لے گئے تو نماز میں جملہ انبیائے کرامؑ مقتدی بنے ۔ اور آنحضور نے امامت فرمائی ؛

صفحہ ۷ ۔ لہ مصرعِ ہٰذا میں اشارہ کیا گیا ہے اس آیۂ شریفہ کی جانب : اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۔ "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی نبی کریمؐ پر درود و سلام بھیجتے رہتے ہیں ۔ لہٰذا اے مومنو! تم بھی (شب و روز) نبی پر درود و سلام بھیجو ؛

ٹہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ "اے نبیؐ!
اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو آسمان و زمین کو بھی
پیدا نہ کرتا"

صفحہ ۱۰ ۔ لہ احکامِ الٰہی کا مطیع

صفحہ ۱۱ ۔ لہ جبل الطارق

ٹہ سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس

سہ بدر اور حنین تاریخ اسلام کی دو مشہور جنگیں

صفحہ ۱۲ ۔ لہ شرکِ جلی : صریح اور واضح شرک
مثلاً معبودِ برحق کے علاوہ مخلوق میں سے کسی
بھی چیز کی پرستش کرنا

ٹہ غزنوی : سلطان محمود غزنوی جس نے
سومنات کا بتکدہ پاش پاش کیا تھا

صفحہ ۱۳ ۔ لہ "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ" میں
روئے زمین پر اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں"
اور "نائب" سے مراد ہے مومن صادق، کیونکہ
لفظ "خلیفہ" کا اطلاق "مومن" کے علاوہ اور کسی
پر نہیں ہوسکتا

صفحہ ۱۴ لہ اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے اس آیہ شریفہ
کی جانب : مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ
عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ: "محمد خدا کا سچا رسول
ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں (مومنین) وہ کفار
پر تو نہایت تشدد سے کام لیتے ہیں مگر آپس میں
رحیم و کریم ہیں۔"

صفحہ ۲۱ ۔ لہ وادیِ ایمن کوہِ طور کے دامن میں وہ
مقدس وادی ہے جہاں پہلے پہل موسیٰ علیہ السلام
نے دیدارِ الٰہی کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے
اس شعر میں "وادیِ ایمن" سے مجازاً مراد ہے ہر وہ
پاک و متبرک جگہ جہاں گوشۂ عافیت میں کامل اطمینان
و یکسوئی سے ذکرِ الٰہی کیا جا سکے

صفحہ ۲۹ ۔ لہ یہ اشارہ ہے اس آیۂ شریفہ کی جانب:
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ "تم میں سب سے
باعزت شخص خدا کے نزدیک وہ ہے جو سب سے
زیادہ نیکوکار اور پرہیزگار ہے"

صفحہ ۳۰ ۔ لہ یعنی اے میرے آقا! اے میرے سردار!

صفحہ ۳۶ ۔ لہ یہ آیۂ شریفہ اس حقیقت پر شاہد ہے:
وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ
الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۔ "ہم نے
نصیحت و موعظت کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ

ہم اپنی زمین کا وارث و حاکم اپنے نیک بندوں
کو کریں گے"

صفحہ ۳۷ - ۱؎ یہ مفہوم ہے اس آیۂ شریفہ کا:- اِنْ
تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ
"اگر تم خدا کی امداد کرو (جہاد بالکفر کرو) تو وہ تمہاری
امداد کرے گا اور کفار کے خلاف تمہیں ثابت قدم
رکھے گا"

صفحہ ۴۱ - ۱؎ ہرقل شاہ روم

صفحہ ۴۹ - ۱؎ یہ شعر بانگ درا میں سے ہے۔ تقریب شعر
یہ ہے کہ اگرچہ اقبال بھی موت کی دست برد سے محفوظ
نہ رہ سکا لیکن وفات پا کر بھی اس کا "مذاقِ زندگی"
پہلے سے بلند تر صورت میں برقرار رہا، اور اس نے
خود محو خواب ہو کر ہمیں جو "پیغام بیداری" دیا ہے
وہ ایک ابدی اور غیر فانی چیز ہے۔ چنانچہ اسی پیغام
کے چند اہم اور بنیادی عناصر "محفل انجم" میں منتقل
کئے گئے ہیں

صفحہ ۵۱ - ۱؎ ہجوم انجم میں "ماہ کامل" کی تشبیہ سے
ظاہر ہے کہ اقبال اس محفل میں صدر کی حیثیت
رکھتا ہے

صفحہ ۵۲ - ۱؎ بقراط اور افلاطون: یونان قدیم
کے دو مشہور و ممتاز فلسفی

۲؎ بائرن: انگلستان کا مشہور انقلاب پسند شاعر

۳؎ شیلے - انگلستان کا ممتاز ترین شاعر جو
علوِ تخیل، حسنِ گفتار، جدتِ فکر اور محاسن ادبیہ
کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتا۔ شیلے اپنے کلام
کے معنوی تقدس کی بنا پر یورپ میں "فرشتہ شاعر"
کہلاتا ہے

صفحہ ۵۳ - ۱؎ کیٹس: انگلستان کا مشہور شاعر جس
کی نظمیں رومانی خصوصیات کے علاوہ اپنے اندر
نفسیاتی عناصر بھی لئے ہوئے ہیں

۲؎ گوئٹے - جرمنی کا ممتاز ترین شاعر جو علوِ تخیل
اور نفسیاتی اندازِ بیان کے لحاظ سے بہت مشہور
و مقبول ہے۔ مشرقی ادبیات میں سے وہ خواجہ
حافظ اور سعدی کے کلام کا بہت شیدائی تھا۔
پروازِ خیال کے لحاظ سے علامہ اقبال گوئٹے کو
مرزا غالب کا ہم پایہ شاعر تسلیم کرتے ہیں:-

آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

(اقبال)

۳۔ ڈینٹے: اٹلی کا ممتاز ترین روحانی شاعر جو ایک طویل نظم بعنوان ڈوائن کومیڈی (مقدس طربیہ) لکھ کر غیر فانی ہو چکا ہے۔

۴۔ کانٹ: جرمنی کا مشہور اشراقی فلسفی جو خودی اور عرفانِ نفس کا درس دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک خودشناسی (Self-realization) اور نظمِ باطن (Inner Discipline) کے بغیر ظاہری اخلاق درست ہی نہیں ہو سکتے۔

۵۔ ہیگل: جرمنی کا مشہور فلسفی جو صرف تصادم (conflict) ہی کو قوائے زندگی کے ارتقا کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہے۔ اُس کے نزدیک تصادم و پیکار کے بغیر زندگی بالکل معطل و ناکارہ ہے۔

۶۔ شوپنہار: جرمنی کا قنوطی (Passimist) فلسفی جس کی تصنیفات کا حاصل یہ ہے کہ زندگی محض نقشِ حسرت و حرماں ہے، وجود ایک مسلسل لعنت و مصیبت ہے اور اس مصیبت سے رہائی صرف موت کی آغوش میں نصیب ہو سکتی ہے۔

۷۔ برکلے: انگلستان کا مشہور فلسفی جس نے اپنی متعدد تصنیفات میں نوعِ انسانی کو یقین دلانا چاہا کہ وجودِ کائنات محض فریبِ نظر ہے اور دُنیا میں جو کچھ بھی ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ وہ ہمارے اپنے ارتسامات ذہنی ہیں۔ اس کے عقیدہ میں کوئی چیز ٹھوس اور حقیقی جسم نہیں رکھتی۔ بالفاظِ دیگر دُنیا و مافیہا محض خیال ہے، تصوّر ہے اور کوئی باضابطہ "وجود" نہیں رکھتی۔ ان تعلیمات کی اشاعت پر خود یورپ کے پادریوں نے اُسے کافر و ملحد کہا۔ اور اُس کے نظریات کی شدت سے تردید کی۔ عام طور پر اس کے فلسفہ کو ایک مجنوں کی بڑ سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔

۸۔ نطشے۔ جرمنی کا جبّار و قہار فلسفی جس نے اپنی تحریروں کے ذریعے جلال و جبروت اور تسخیر و حکمرانی کی تعلیم دی۔ نطشے کا ممتاز ترین تمثالی پیکر فوق الانسان (Beyond man) ہے جو نباتِ حیات کی اعلیٰ قدروں کا واحد حامل ہے۔ شیر، شاہین اور سانپ نطشے کے تین اعتباری دوست ہیں۔ جنہیں وہ مظہرِ سطوت و حکومت قرار دیتے ہوئے انسانِ کامل کو

اُن کی تقلید پر آمادہ کرتا ہے ۔

صفحہ ۵۴ ۔ ۱ مسکرانے کی رمز یہ مفہوم رکھتی ہے کہ ہم دونوں خودی اور استحکام حیات کے سرگرم معلّم ہیں ۔

صفحہ ۵۵ ۔ ۱ یورش اوہام: بے سند اور بے بنیاد خیالات کا حملہ جو عموماً فتنہ و فساد کا باعث ہے۔

صفحہ ۵۶ ۔ ۱ خیام دنیا و مافیہا کو فقط "نقش خیال" بتاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دُنیا زیادہ سے زیادہ ایک فانوس کی حیثیت رکھتی ہے جس میں مہر و ماہ چراغ کا کام دے رہے ہیں۔ اس فانوس عالم میں ہماری اشکالِ مختلفہ تصاویر کی مانند گھوم رہی ہیں اور اس طرح وجود اور عدم کا ایک "طفلانہ" کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ یہ رباعی ملاحظہ ہو:

این چرخ فلک کہ ما درو حیرانیم
فانوس خیال ازو مثالے دانیم
خورشید چراغدان و عالم فانوس
ما چوں صوریم کاندرو حیرانیم

۲ قرطاس : کاغذ ۔

۳ عالم کون و فساد: بننے اور بگڑنے والی دنیا

صفحہ ۵۷ ۔ ۱ تابش : روشنی ۔ نور ۔

صفحہ ۵۸ ۔ ۱ محجوب : شرمندہ ۔

۲ بیٹرس ڈینٹے کی محبوبہ کا نام ہے ۔ جو پہلے پہل دس برس کی عمر میں شاعر کے سامنے آئی اور ہمیشہ کے لئے اس کے دل پر سوز و اضطراب کی بجلیاں گرا گئی۔ ڈینٹے کو دو تین مرتبہ اُس کا دیدار تو ضرور نصیب ہوا لیکن "گفتار" کی نوبت نہ آئی۔ بالآخر وہ پری پیکر چوبیس برس کی عمر میں راہی مُلکِ عدم ہوئی اور اُس کی ناگہاں وفات سے ڈینٹے کی وارداتِ قلب پر ایسی حشر انگیز ضرب پڑی کہ وہ دُنیا سے کنارہ کش ہو کر "ڈوائن کمیڈی" (مقدس طربیہ) کی تحریر میں محو و مستغرق ہو گیا۔ اس رُوحانی معراج نامہ کو اُس نے اپنی معصوم محبوبہ بیٹرس کے نام منسوب کیا ہے اور اُسی کو سیرِ بہشت میں اپنا رہنما بنایا ہے۔ اس کتاب میں خیر و شر اور جزا و سزا کے اکثر مسائل کی عقدہ کشائی بھی بیٹرس کی زبانی ہوئی ہے ۔

صفحہ ۵۹ ۔ ۱ "پیغام حیات" سے مراد ہے ۔

"ڈِوائن کومیڈی" جو نہایت ایمان افروز
کارنامہ ہے ؎

۲ جہاں تک حُسن کی قدر افزائی اور "پرستش"
کا تعلق ہے۔ شعرائے انگلستان میں شیلےؔ
اور بائرن اپنا جواب نہیں رکھتے۔ وہ دونوں
خود بھی نہایت حسین وجمیل تھے، ہم پیالہ و
ہم نوالہ دوست تھے۔ ذوقِ حسن میں تنوع
(Variety) کے قائل تھے اور رازہائے
حُسن وعشق میں برابر کے شریک۔ رومان کے
ذوق وشوق میں اُن کا باہمی رابطہ ہمیں اپنے
یہاں سید انشاؔ اور رنگینؔ کی محافل رنگین
یاد دلاتا ہے ؎

۳ ہیجان: حرکت و اضطراب ؎

۴ تابانی: روشنی۔ ضیا پاشی ؎

صفحہ ۶۰ ۔ ۱ اقبالؔ کی نظر میں لفظِ حُسن مروجہ
مفہوم سے بدرجہا زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے
اقبالؔ کے نزدیک حُسن کو محض پیکرِ نسوانی سے
وابستہ کردینا اتباعِ ہوس ہے اور ایک
سفلی جذبہ ہے جس کی شدت سے تردید کی گئی ہے مثلاً

عشقِ بتاں سے ہاتھ اُٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش ونگارِ دَیر میں خونِ جگر نہ کر تلف

صفحہ ۶۲ ۔ ۱ یہ آٹھ اشعار "بانگِ درا" میں
سے ہیں ؎

۲ قوتِ ایماں حیات افزایدت
ورد لاخوفٌ علیہم بایدت (اقبالؔ)

صفحہ ۶۳ ۔ ۱ اتّصال: ملنا۔ مکمل اتحاد پیدا کرنا ؎

۲ یاد رہے کہ نٹشےؔ اپنے "فوق الانسان"
کے عشق میں محو ہو کر ہستی باری تعالیٰ سے انکار
کر دیتا ہے۔ اُس کی نظر مادیات سے آگے
نہیں بڑھ سکتی۔ وہ اپنے مجوّزہ انسان ہی کو
خدائی صفات کا حامل سمجھتا ہے اور اُس سے
ماورا کسی قوی تر یا اعلیٰ تر ہستی کو ہرگز تسلیم
نہیں کرتا۔ اس بنا پر علّامہ مرحوم نے اس کے
متعلق فرمایا ہے:

آنکہ بر طرحِ حرم بُت خانہ ساخت
قلبِ او مومن دماغش کافر است

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبالؔ اُس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے

۳۹؎ نٹشے نے کلیسا اور اہلِ کلیسا کے نظام پر شدت سے حملے کئے ہیں اور مسیحیت کی پے درپے مذمّت کی ہے۔ اُس کے نزدیک مسیحیت سراپا رہبانیت ہے جو خودی اور تسخیرِ حیات کی فطری قوّتوں کو بالکل زائل کر دیتی ہے ؛

۴۰؎ نٹشے "رحم" کا دشمن ہے، کیونکہ اس کے نزدیک رحم سے فطری جلال و جبروت اور جذبۂ سطوت و حکومت فنا ہو جاتا ہے ؛

۴۱؎ تعزیر : سزا ؛

صفحہ ۶۴ - ۱؎ یورپ کے نقّاد نٹشے کو "مجذوب" اور "مجنون" قرار دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک نٹشے کی گفتار میں "اعتدال" یا "توازن" بالکل مفقود ہے ؛

۲؎ ہویدا : ظاہر ؛

۳؎ مضمحل : مایوس و شکستہ خاطر ؛

۴؎ مستقر : ٹھہرنے کی جگہ ۔ منزل ؛

۵؎ ضیغم : شیر ؛

۶؎ جدّتِ تخلیق کے مفہوم میں اقبال کا یہ قطعہ پیشِ نظر رہے :

تراش از تیشۂ خود جادہ خویش
براہِ دیگراں رفتن عذاب است
گر از دستِ تو کارِ نادر آید
گناہے ہم اگر باشد ثواب است

صفحہ ۶۵ - ۱؎ غالبؔ اپنے خیالات کے لحاظ سے فرقۂ جبریہ سے تعلّق رکھتا ہے۔ جو انسان کو اعمال میں مختار تسلیم نہیں کرتا۔ اس احساس سے متعلق غالبؔ کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں :

کشاکشہائے ہستی سے کرے کیا سعیِ آزادی
ہوئی زنجیر موجِ آب کو فرصت روانی کی

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے
جس میں ایک بیضۂ مور آسمان ہے

۲؎ اس تاثر کی ترجمانی کرتے ہوئے غالبؔ کے اشعار ہیں :-

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغِ مُردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

کس کو سُناؤں حسرتِ اظہار کا گِلہ
دل فرد جمع و خرچ زبانہائے لال ہے

سے اقبالؔ تقدیر کے معاملہ میں انسان کو مختار یقین کرتا ہے۔ اُس کے نزدیک تقدیر مجبوری و بے بسی کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک ذی شعور، فعّال، اولوا العزم اور صاحبِ تسخیر قوّت ہے جو اپنے بے باک اقدام سے اپنی دُنیا آپ تعمیر کرتی ہے۔ مثلاً

بپائے خود مزن زنجیرِ تقدیر
تہِ ایں گنبدِ گرداں رہے ہست
اگر باور نداری خیز و دریاب
کہ چوں پا واکُنی جولانگہے ہست

صفحہ ۶۶۔ لہ نفسیاتی اعتبار سے اقبالؔ "تصوّر" کو اعمالِ انسانی کے عرُوج و ارتقا میں بہت اہمیت دیتا ہے۔ اقبال کے عندیہ میں انسان جیسے بھی تصوّرات و احساسات کا حامل ہوگا نتائج بھی اُسی نوعیت کے مرتّب ہونگے مثلاً

دلِ بے باک را ضرغام رنگ است
دلِ ترسندہ را آہو پلنگ است
اگر بیمے نداری بحر صحراست
اگر ترسی بہ ہر موجش نہنگ است

ٹہ اِس مفہوم میں اقبالؔ کا شعر ہے:

سنگ چوں بر خود گمانِ شیشہ کرد
شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد

سہ اس مفہوم میں اقبال کا شعر ہے:

ناتواں خود را اگر رہرو شمرد
نقدِ جانِ خویش با رہزن سپرد

ٹہ تدریجی ارتقا پر اقبال کا شعر ہے:

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات
یہ کبھی آنسو، کبھی شبنم، کبھی گوہر ہُوا

صفحہ ۶۷۔ لہ اقبال کا شعر ہے:

شبنمی؟ اُفتندگی تقدیرِ تست!
قلزمی؟ پائندگی تقدیرِ تست!

ٹہ بُوم : اُلّو ؛

سہ شاہیں کے ممتاز ماحول پر اقبال کا شعر ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اُسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

ٹہ منقار : چونچ ؛

[۵] اس مفہوم میں اقبال کا شعر ہے:

بخود خزیدہ و محکم چو کوہساراں زی
چو خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بے باک است

صفحہ ۶۸ - [۱] تقدیر کے عذرِ لنگ کی تردید اقبال نے بایں الفاظ کی ہے:-

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ!

صفحہ ۶۹ [۱] سعدی کا فلسفہ مجموعی طور پہ آرام و راحت کی تلقین کرتا ہے اور "ستیز" کی بجائے زندگی سے "گریز" کا سبق دیتا ہے - مثلاً:

بدریا در منافع بے شمار است
اگر خواہی سلامت بر کنار است

چنانچہ اسی طرزِ تعلیم کے متعلق اقبال کو کہنا پڑا کہ:-

حدیثِ بے خبراں ہے کہ با زمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

[۲] اقبال خطرات و حوادث کو بقائے حیات اور فروغِ عمل کے لئے اشد ضروری سمجھتا ہے اس کا اعلان ہے کہ ع اگر خواہی حیات اندر خطر زی

اسی "خطر" کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس نے تو یہاں تک بھی کہہ دیا کہ:

بہ کیشِ زندہ دلاں زندگی جفا طلبی است
سفر بہ کعبہ نہ کردم کہ راہ بے خطر است

صفحہ ۷۰ - [۱] خواجہ حافظ اپنے کلام میں خیر و شر کے موضوع پر عموماً مبتلائے کشمکش دکھائی دیتے ہیں اور کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر پاتے۔ دیوانِ حافظ میں اس انداز کے کافی اشعار پائے جاتے ہیں - بطورِ مثال:

حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

[۲] اقبال فلسفۂ اضداد کا مستقل معلم ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ہر چیز کا وجود و استقلال اپنی متضاد شے کے وجود سے برقرار ہے۔ اگر یہ تضاد (Contrast) نہ ہوتا تو نہ شر شر تھا اور نہ خیر خیر - چنانچہ:-

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

[۳] حریف: بمعنی مقابل ؎

۷؎ اس مفہوم میں غالبؔ کا ایک عدیم النظیر شعر ہے:

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا

صفحہ ۱۷۔ ۱؎ اہرمن: شیطان ٭

۲؎ اس مفہوم میں میر تقی میرؔ کا ایک فقید المثال شعر ہے:

کفر کچھ چاہیئے اسلام کی رونق کے لئے
حُسن زنّار ہے تسبیحِ سلیمانی کا

۳؎ صعود: بلند پروازی۔ ترقی و فروغ

صفحہ ۲۷۔ ۱؎ دَیر: بُت خانہ ٭

۲؎ شبِ دیجور: اندھیری رات ٭

۳؎ معدلت: انصاف ٭

۴؎ سقیم: ناقص و نادرست ٭

۵؎ افلاطون بھی قریباً اُسی مدرسۂ فکر (School of thought) سے تعلق رکھتا ہے جس سے دیگر قنوطی فلاسفر منسلک ہیں۔ وہ بھی نتائجِ فکر کے لحاظ سے برکلے کا ہم آہنگ ہے اور کائنات کو ایک واہمہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ علّامہ اقبالؔ افلاطون ہی پر تنقید فرماتے ہوئے "اسرارِ خودی" میں لکھ چکے ہیں:

فکرِ افلاطوں زیاں را سُود گفت
حکمتِ او بُود را نابُود گفت
فطرتش خوابید و خوابے آفرید
چشمِ ہوشِ او سرابے آفرید
بسکہ از ذوقِ عمل محروم بود
جانِ او وا رفتۂ معدوم بود
مُنکرِ ہنگامۂ موجود گشت
خالقِ اعیانِ نامشہود گشت
قومہا از سُکرِ او مسموم گشت
خفت و از ذوقِ عمل محروم گشت

صفحہ ۲۳۔ ۱؎ عالمِ سفلی: پست دنیا۔ نیچے کی دُنیا۔ مراد بہ عالمِ کون و فساد ٭

۲؎ غالبؔ بھی برکلے کی طرح کائنات کو محض ایک خیالی اور اعتباری چیز قرار دیتا ہے وہ کائنات کو ایک ٹھوس حقیقت تسلیم نہیں کرتا۔ غالبؔ نے اپنا یہ عقیدہ اکثر اشعار

میں پوری متانت و سنجیدگی سے بیان کیا ہے۔ مثلاً:

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

ہاں، کھائیو مت فریبِ ہستی
ہرچند کہیں کہ ہے، نہیں ہے!

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالبؔ
آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے؟

صفحہ ۷۴۔ ۱؎ غالبؔ کا یہ قنوطی تصوّر اس کے اکثر اشعار سے ثابت ہے۔ مثلاً

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

۲؎ اقبالؔ کے نزدیک انسان کو حقیقی بصیرت و حکمت، اور عقلِ سلیم فقط عشق سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً:-

من بندۂ آزادم عشق است امامِ من
عشق است امامِ من، عقل است غلامِ من

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

صفحہ ۷۶۔ ۱؎ قلبِ مذبذب: وہ دل جس میں قوتِ فیصلہ مفقود ہو اور کوئی قطعی و بااصول لائحہ عمل معیّن نہ کر سکے۔

۲؎ یہ شعر اقبالؔ کا ہے۔

صفحہ ۷۷۔ ۱؎ اقبال کے نزدیک دین اور سیاست ایک دوسرے کے لئے جزو لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ہر دو کو کسی حالت میں باامن و آشتی جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جب کبھی دین و سیاست میں جدائی و مغائرت پیدا کی جائے تو تمدّن و معاشرت میں ایک خوفناک اور ناقابلِ تلافی فتنہ و فساد رونما ہوتا ہے، جو فتنۂ چنگیزی سے کسی طرح کم نہیں۔ چنانچہ:

نظامِ بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (اقبالؔ)

صفحہ ۷۸۔ ۱؎ الحاد: کفر و لادینی۔

۲؎ جوع الارض : زمین کی بھوک : مراد تسخیر ممالک کی ہوس ۔

۳؎ الحاق : میل ملاپ ۔ دوستی و رواداری

صفحہ ۷۹ ۔ ۱؎ ہنگامۂ پیکار : جنگ کا فتنہ

۲؎ قائدین : راہنما ۔

۳؎ یہاں "یزید" سے مُراد ہے ہر وہ حاکم جو فسق و فجور کے نظام کو الٰہی آئین پر ترجیح دے اور استبداد سے دستورِ اسلامی و منہاجِ شرعی کی مخالفت کرے ۔ اسوۂ حسینؑ کے عاشق ایسے یزید کے وجودِ نامسعود کو تاریخ کے کسی دَور میں بھی برداشت نہیں کر سکتے ۔

۴؎ شیکسپیئر کے ڈرامے ہوں یا مِلٹن کی نظمیں، اُن سب کا مقصد حقیقی نیکی (Virtue) کی تبلیغ و اشاعت ہے ۔ شیکسپیئر اپنے ڈراموں میں مختلف النّوع کرداروں کے نتائجِ عمل سے نیکی کی فتح اور بدی کی شکست دکھلاتا ہے ۔ اسی طرح مِلٹن بھی عموماً پوری گرم جوشی سے نیکی کی تلقین کرتا ہے مثلاً اذعانِ حق کی اس سے زیادہ مؤثر و حسین صورت اور کیا ہو گی کہ :

Mortals, that would follow me,
Love virtue: she alone is free,
She can teach ye how to climb,
Higher than the sphery chime,
Or if virtue feeble were
Heaven itself would stoop to her.
(Milton)

صفحہ ۸۰ ۔ ۱؎ تصنیفاتِ اقبالؒ کے بیشتر اشعار سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اقبالؒ "حق گوئی" کو مومن کی سب سے زیادہ اہم اور ممتاز صفت قرار دیتا ہے ۔ مثلاً :

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

صفحہ ۸۱ ۔ ۱؎ کارل مارکس : روس کے موجودہ دستورِ سیاسی کا بانی مبانی جس نے اشتراکیت کا آئین وضع کیا اور سرمایہ داری کے خلاف قلمی جہاد کیا ۔ اس کی مشہور کتاب موسوم بہ "سرمایہ" کو مذہبِ اشتراک کی بائبل تصور کیا جاتا ہے ۔

۲؎ چیرہ دستی : ظلم و ستم ۔

صفحہ ۸۲ ۔ ۱؎ لینن : انقلاب روس کا بانی جس
نے کارل مارکس کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنایا۔
اور سرزمین رُوس سے شہنشاہیت کا خاتمہ
کر دیا ؎

صفحہ ۸۳ ۔ ۱؎ ساز و برگ : ثمرہ ۔ حاصل ؎

۲؎ آمریت : مطلق العنانی ؎

۳؎ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص بھی محنت
و مشقت اور ذاتی جوہر و قابلیت سے زندگی
میں امتیاز و ترقی حاصل کرے ۔ وہ آزادانہ
طور پر اپنی محنت کے ثمر و حاصل کا مالک و
مختار بھی ہو ۔ بعد ازاں وہ اپنی خوشی سے
جس قدر چاہے قوم کی تعمیر پر صرف کرے ۔
بخلاف اس کے روسی نظام ذاتی و شخصی ملکیت
کا قطعی دشمن ہے اور افراد کا حاصلِ محنت
قانونی طور پر اپنی تحویل میں لے لیتا ہے
نفسیاتی نقطہ نظر سے بھی املاک پر ایسی
قانونی پابندی فطرتِ انسانی کو مستقل اقدام
ترقی سے مانع ہے ؎

۴؎ تلمیح بآیہ شریفہ : یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا
یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ۔ یعنی "اے نبیؐ! یہ
لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ معذور و مستحق
لوگوں پر کتنا کچھ خرچ کریں ۔ جواب دیجئے کہ
اپنی اشد ضروریات زندگی کے علاوہ جو
کچھ بھی ہے، قوم کی فلاح و بہبود میں بر طرف
کر ڈالو !" اس آیہ شریفہ سے صریحاً ثابت
ہے کہ اسلام ذخیرہ اندوزی اور ہوسِ دولت
("کنز") کو حرام و ناجائز قرار دیتا ہے ۔

جو حرف قُلِ الْعَفْو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار ۔ اقبال

صفحہ ۸۴ ۔ ۱؎ کامراں : کامیاب و سرفراز ۔

۲؎ یہاں لفظ سرمایہ سے مراد ہے "سرمایہ دار"
"سرمایہ" کا لفظ اس شعر میں بطور "مجاز مرسل"
لایا گیا ہے ؎

۳؎ "دستِ دولت آفریں" : دولت پیدا
کرنے والا ہاتھ جو صحیح معنوں میں کسان اور
مزدور ہی کا ہاتھ ہے ۔ ان الفاظ سے اشارہ
مقصود ہے اقبال کے اس شعر
کی جانب :-

دستِ دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ

صفحہ ۸۵ ۔ ۱ گم شدہ بہشت "Paradise Lost" ملٹن کی ایک ضخیم تصنیف ہے جس میں رُوحِ آدم اپنی غفلت و معصیت پر نادم ہوتے ہوئے حضورِ حق نالہ و فریاد کرتی ہے۔ ملٹن کی یہ تصنیف رُوحانی تقدس سے معمور ہے، اور اپنی پاکیزگی جذبات کے لحاظ سے "ڈوائن کومیڈی" کی ہم پایہ چیز معلوم ہوتی ہے ۔

۲ مُبہم : پوشیدہ ۔ نامعلوم ۔

صفحہ ۸۹ ۔ ۱ مردِ حُر : آزاد انسان ۔

۲ حریم : چار دیواری ۔ حریم ناز : معشوقِ حقیقی کے مسکن (عرش) کی چار دیواری ۔

صفحہ ۹۱ ۔ ۱ تلمیح بآیۂ شریفہ : اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْ بَلٰی " (خدا نے روزِ ازل ارواحِ انسانی سے پوچھا) کیا میں تمہارا خالق و پروردگار نہیں ہوں ؟ اُنہوں نے کہا بے شک تُو ہی ہے !"

صفحہ ۹۵ ۔ ۱ خزف : کنکر ۔

۲ پگاہ : صبح ۔

۳ شقاوت : بدبختی ۔

۴ اہلِ تقویٰ : نیکوکار اور پرہیزگار لوگ

۵ فاسق : بے دین اور بدکار لوگ ، جو احکامِ شرعی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ۔

صفحہ ۹۶ ۔ ۱ یہ گویا ترجمانی ہے اقبال کے اس قطعہ کی :

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں نے خدا بیں نے جہاں بیں
یہی شاہکار ہے تیرے ہُنر کا ؟

۲ "خلافت" سے مراد ہے وہ مقامِ خلافت و نیابت جو اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل انسان کو عطا فرمایا تھا : وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً"

۳ ارزال : سستی ۔ مراد عام ۔

صفحہ ۹۷ ۔ ۱ زاغ و زغن : کوّا اور چیل

۲ ایاغ : پیالہ ۔

۳ ماہِ نخشب : وہ چاند جس کو حکیم ابنِ عطا

نے (جو بنام ابنِ مقنع مشہور ہے) چند اجزا ملا کر شعبدہ کے طور پر بنایا تھا۔ یہ چاند دو ماہ تک ایک کنوئیں سے جو کوہ سیام کے نیچے واقع تھا، نکلتا رہا۔ اس مصنوعی چاند کی روشنی دس میل تک پہنچتی تھی۔ نخشب ایک شہر کا نام ہے ماوراء النہر میں جس کنوئیں سے یہ چاند طلوع کرتا تھا۔ وہ نخشب سے چھ میل کے فاصلے پر ہے ؛

۲ صحیح معنوں میں متقی اور صاحبِ ایمان لوگوں کے قلیل و کمیاب ہونے کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی اکثر جگہ موجود ہے۔ بطور مثال : وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ۔ یعنی "میرے شکر گزار بندے بہت کم ہیں"

صفحہ ۹۸ - ۱ حریر : ریشم ؛

صفحہ ۹۹ - ۱ کوثر اور تسنیم جنّت کے دو چشموں کا نام ہے ؛

۲ تعمیم : عمومیت - کثرت ؛

۳ ظفر : فتح ؛

۴ یہ مفہوم ہے اقبال کے اس قطعہ کا :-

چو در جنّت خرامیدم پس از مرگ
بچشمم ایں زمیں و آسماں بود
شکے با جانِ حیرانم در آویخت
جہاں بود آں کہ تصویرِ جہاں بود

صفحہ ۱۰۰ - ۱ ہیجان : حرکت - جوش و خروش ؛

۲ تعطّل : بیکاری - جمود و سکون ؛

صفحہ ۱۰۱ - ۱ دریائے نیل کی طرف اشارہ ہے جو حضرت موسٰیؑ کی ضربِ عصا سے شق ہو گیا تھا ؛

۲ اصنام : جمع صنم بمعنی بُت - بعثتِ نبویؐ سے پیشتر حرمِ کعبہ میں کفّار نے جو اصنام سجا رکھے تھے - اُن کی جانب اشارہ ہے ؛

۳ یہ اشارہ ہے آنحضرتؐ کے معجزۂ شق القمر کی جانب ؛

صفحہ ۱۰۲ - ۱ مرحب : عرب کا مشہور پہلوان جسے حضرت علیؓ نے شکست دی تھی ؛

۲ راکب : سوار - مرکب : گھوڑا -

جب مجاہدین اسلام نے ایران پر حملہ کیا ہے
تو دریا سے پار اُترنے کے لئے اپنے گھوڑے
طغیانِ آب میں ڈال دئے تھے۔ دریا کے
دوسرے کنارے پر کفار نے یہ منظر دیکھا تو
نہایت خوف زدہ ہوئے اور "دیواں آمدند!
دیواں آمدند!" کہتے ہوئے گھروں کو بھاگے
علامہ اقبال نے اسی واقعہ کی جانب اشارہ
کرتے ہوئے "شکوہ" میں فرمایا ہے :۔

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے

سے ندیم : ہم مجلس ۔ دوست ؛

صفحہ ۱۰۳۔ لہ اسی جذبۂ "تحقیق وجستجو" کے تحت
ایک جگہ فرماتے ہیں :

نہ گردد زندگانی کوتہ از کارِ جہانگیری
جہانے در گرہ بستم جہانے دیگرے پیش است

سے شوقِ تخلیق" کی نسبت "اسرار" میں
نہایت زور دار الفاظ میں فرمایا ہے :۔

مردِ خود دارے کہ باشد پختہ کار
با مزاجِ او بسازد روزگار
گر نہ سازد با مزاجِ او جہاں
می شود جنگ آزما با آسماں
بر کند بنیادِ موجودات را
مے دہد ترکیب نو ذرات را
گردشِ ایام را برہم زند
چرخِ نیلی فام را برہم زند
مے کند از قوتِ خود آشکار
روزگارِ نو کہ باشد سازگار

صفحہ ۱۱۰۔ لہ آیہ شریفہ : اِنَّ الْمُلُوْكَ
اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا
اعزۃ اھلھا اذلۃ

صفحہ ۱۱۴۔ لہ یعنی "انسان کو صرف وہی کچھ
مل سکتا ہے جسے وہ اپنی جدو جہد سے
حاصل کرے ؛

صفحہ ۱۳۲۔ لہ آیہ شریفہ : "اللہ تعالیٰ اپنے
وعدوں کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کرتا"
سے اس شعر میں ترجمانی کی گئی ہے اس آیہ شریفہ کی
یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ
کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

صفحہ ۱۳۳ - [1] اس شعر میں مفہوم پیش کیا گیا ہے
اس آیۂ شریفہ کا: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ
وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

[2] تلمیح بآیۂ شریفہ: مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ
ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا

صفحہ ۱۴۳ - [1] قرآن مجید فرماتا ہے کہ "نبی کریمؐ
کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں"۔

صفحہ ۱۴۴ - [1] قرآن مجید میں پردہ کی پے
در پے تاکید پائی جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ
اس کے فوائد و فضائل بھی مذکور ہیں۔ اس
موضوع پر مفصل مطالعہ کے لئے سورہ النور
پ ۱۸ : ع ۴ ۔ سورۂ الاحزاب پ ۲۲ : ع ۸
ملاحظہ فرمائیے۔

صفحہ ۱۴۵ - یہ مفہوم ہے اس آیہ شریفہ کا:-
ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝
"اس کتاب کی صداقت میں کوئی شک نہیں۔
یہ ایک دستور ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے"۔

صفحہ ۱۴۶ - [1] یہ اشارہ ہے اس آیۂ شریفہ
کی جانب: وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ
شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔

[2] یہاں اشارہ مقصود ہے اس آیۂ شریفہ
کی جانب: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

[3] یہ مفہوم ہے حدیث نبوی کا:-
اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ
بِهٖ اٰخَرِيْنَ۔

[4] یہ مفہوم ہے اس حدیث کا: خَيْرُكُمْ مَنْ
تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

صفحہ ۱۴۹ - [1] تلمیح بآیۂ شریفہ: وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

صفحہ ۱۶۱ - [1] تاج محل آگرہ۔

صفحہ ۱۶۲ - [1] ایامیٰ: بیوہ عورتیں۔

صفحہ ۱۶۷ - [1] یاد رہے کہ اسلام جاگیرداری کو کسی
بھی دلیل و برہان سے دنیا کے کسی بھی دور یا
ماحول میں جائز قرار نہیں دیتا۔ جاگیر خواہ آپ کے
نقطۂ نظر سے "جائز و حلال" طریق پر حاصل کی
گئی ہو۔ اسلام کی نظر میں وہ حرام و ناجائز ہے۔

اس ذیل میں بنیادی حقیقت یہ ہے کہ اسلام جو جمہوریت، معاشی مساوات اور امدادِ مساکین و غربا کا عظیم ترین معلّم و علم بردار ہے، کسی پاس اتنا سرمایہ رہنے ہی نہیں دیتا کہ وہ "جاگیریں" خریدتا پھرے۔ چنانچہ میری اس نظم میں زمین کے متعلق "متاعِ بندہ" اور "مِلکِ خدا" کا نکتہ خاص طور پر قابلِ غور ہے ؛

صفحہ ۱۷۸۔ لہ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ۔ یعنی "تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک رہائش اور (عارضی) فائدہ ہے ؛

لہ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ۔ "اے پیغمبر! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (قوم کے مسکین و پس ماندہ لوگوں پر) کیا کچھ خرچ کریں؟ جواب دیجئے کہ اپنی اشد ضروریاتِ زندگی کے علاوہ سب کچھ خرچ کر ڈالو۔"

لہ خواجہ: سرمایہ دار +

صفحہ ۱۷۱۔ لہ حضرتِ علیؓ کا مقولہ ہے :-

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔

صفحہ ۱۷۸۔ لہ آیۂ شریفہ۔ ترجمہ: "میں فانی چیزوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

صفحہ ۱۷۹۔ لہ حضرتِ ابراہیم کو بچپن ہی سے توحیدِ الٰہی کا مکمل احساس تھا اور بتوں سے انتہائی نفرت تھی۔ چنانچہ تفاسیر میں مذکور ہے کہ وہ بتوں کی گردن میں رسّی ڈال کر بازوں میں گھسیٹتے اور فرماتے: "جو کافر ہے وہ ان بتوں کو خرید لے، لیکن جو مومن ہے وہ ان سے نفرت کرے۔"

لہ آیہ شریفہ: رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ

لہ کعبہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے مل کر تعمیر فرمایا تھا۔ آیۂ شریفہ :- وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ الخ

صفحہ ۱۸۰۔ لہ دُخاں: دھواں +

لہ کافر یعنی منکرِ حق و صداقت کے لئے، خواہ وہ ایک نام نہاد اور منافق مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اصلاح و ہدایت کی بہت کم گنجائش

رہ جاتی ہے۔ کیونکہ وہ حسب قرآن "گونگا، بہرا اور اندھا ہو جاتا ہے۔ اُس کا دل مانندِ سنگ ہے۔ یا اُس سے بھی زیادہ سخت۔"

صفحہ ۱۹۲ ۔ لہ قرآن مجید جن لوگوں کو عقبیٰ میں کامیاب و سرفراز بیان فرماتا ہے۔ اُن کے لئے "ایمان" کے ساتھ ہی ساتھ "عمل" لازمی چیز ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں "اٰمَنُوْا" کا لفظ لایا گیا ہے وہاں "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کا تذکرہ ضرور موجود ہے۔ مثلاً:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

قسم ہے مجھے زمانے کی کہ سوائے ان لوگوں کے جو صدق دل سے ایمان لائے۔ نیک عمل کئے اور راہِ حق میں صبر و استقلال کی تلقین کی دیگر تمام لوگ خسارے میں رہیں گے۔

صفحہ ۱۹۴ ۔ لہ یہ آیہ شریفہ مومنوں کی باہمی اُلفت پر دال ہے: فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖۤ اِخْوَانًا۔ "ہم نے تمہارے دلوں میں باہمی محبت و مودّت کا جذبہ پیدا کیا اور اللہ کے اس بہت بڑے انعام سے بھائی بھائی ہو گئے۔"

لہ ایثار و امداد کے مفہوم میں یہ حدیث بہت جامع ہے: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ:

"تم میں سے کوئی شخص بھی مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

صفحہ ۱۹۸ ۔ لہ یہ نظم "رموزِ بیخودی" میں ہے۔

صفحہ ۲۱۵ ۔ لہ اصل فارسی نظم "جاوید نامہ" میں مندرج ہے۔

صفحہ ۲۱۶ ۔ لہ "کبر" بمعنی انانیت۔ "انا" (میں) کا احساس جس کی بنا پر ابلیس نے اللہ کے حضور کہا تھا کہ "اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ" یعنی میں آدم سے بہتر ہوں۔" اور پھر اس جذبہ انا کی وجہ سے اُس نے حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی اور آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا:

أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۔

صفحہ ۲۱۸ ۔ لہ تعطل : بے کاری۔ سکون و جمود ؂

صفحہ ۲۱۹ ۔ لہ نفور : نفرت کرنے والا ؂

؎ ستیز : جنگ ؂

صفحہ ۲۲۱ ۔ لہ نفس امّارہ : بدی ۔ ذوق نے اسی کے متعلق کہا ہے :۔

نہنگ و اژدہا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا

صفحہ ۲۳۶ ۔ لہ بدر : ماہِ کامل ؂

صفحہ ۲۴۵ ۔ لہ اپالو (Apollo) یونانی علم الاصنام میں سورج کے دیوتا کا نام ہے بمبئی میں اس نام کی ایک بندرگاہ ہے ۔ راقم الحروف کو ایک مرتبہ یہ حسین و جمیل بندرگاہ دیکھنے کا اتفاق ہوا ۔ اس نظم میں اُسی سیر کے مشاہدات قلمبند کئے گئے ہیں ؂

صفحہ ۲۴۶ ۔ لہ وینس : یونانی علم الاصنام میں حُسن کی دیوی کا نام ہے ؂

صفحہ ۲۶۱ ۔ لہ میلو (Melo) یونان

قدیم کا فقید المثال سنگ تراش جس نے وینس کا ایسا حسین و جمیل پیکر تیار کیا ۔ جس کا جواب آج تک پیدا نہیں کیا جا سکا ؂

صفحہ ۳۰۸ ۔ لہ حیل : جمع حیلہ ۔ بہانہ ؂

صفحہ ۳۱۱ ۔ لہ مرکب : گھوڑا ؎ مہمیز : ایڑ لگانا ؂
؎ نخچیر : شکار ؂

صفحہ ۳۱۵ ۔ لہ اس رباعی میں "بقائے اصلح" کا قانون بیان کرتے ہوئے "خودی" یا استحکام نفس کی ضرورت و اہمیت واضح کی گئی ہے !

صفحہ ۳۱۶ ۔ لہ جسور : بے باک ؎ نخچیر : شکار ؂

صفحہ ۳۱۷ ۔ لہ خواجہ : بمعنی سرمایہ دار

صفحہ ۳۱۸ ۔ لہ مراد آسمان

صفحہ ۳۲۰ ۔ لہ جذام : کوڑھ

صفحہ ۳۲۲ لہ محصور : گھرا ہوا

صفحہ ۳۲۶ لہ خفاش : چمگادڑ

مقامِ خیّام

مترجمہ : عبد الرحمٰن طارق
قامت : ۲۰ × ۳۰ / ۱۶

ضخامت : ۳۰۸ صفحات
قیمت : چار روپے

دُنیائے شعر و سخن میں حکیم خیام کو وہی مقام حاصل ہے جو موسم برشگال میں قوسِ قزح کو میسّر ہے اور ان کی رُباعیات ایسی ہیں جیسے کسی نیلگوں جھیل میں کنول تیر رہے ہوں۔ عبد الرحمٰن طارق نے اس حکیم اشراقی کی ساڑھے سات سو رباعیات میں سے تقریباً اڑھائی سو بہترین اور لطیف ترین رباعیات "منظوم اُردو ترجمہ" کے طشتِ جمیل میں سجا کر پیش کی ہیں، جن کی سرشاری فکرِ فردا اور غمِ دیروز سے بے نیاز کر کے انسان کو ایک ایسا تصوّر بخشتی ہے کہ وہ رُوحانی و ذہنی طور پر کبھی بُوڑھا نہیں ہوتا۔ ملاحظہ فرمائیے :-

اُردو ترجمہ	رُباعی
جستجو میں جامِ جم کی کُل جہاں کو طے کیا	در جُستنِ جامِ جم جہاں پیمودیم
دن کی راحت تھی حرام اور تلخ سونا رات کا	روزے نہ نشستیم و شبے نہ غنودیم
جامِ جم کا وصف میں نے جب سُنا اُستاد سے	ز اُستاد چو وصفِ جامِ جم بشنودیم
خود ہُوا جمشید کا میں ساغرِ عالم نما	خود جامِ جہاں نمائے جم مے بُودیم

مِلنے کا پتہ

مکتبۂ ادب نواز۔ کشمیری بازار۔ لاہور (پاکستان)

تعلیماتِ رسولؐ

مصنّف : محمود احمد ظفر　　　　قامت : ۲۰ × ۳۰ / ۱۶

ضخامت : ۱۵۲ صفحات　　　　قیمت : ایک روپیہ ۱۲ ر

ہمارے تمدّن کی تمام تر بنیاد ہماری وہ معاشرت ہے جو ہمارے اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کے طور طریقوں اور آداب پر مشتمل ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو" کے عالمگیر اصُول کے مطابق انسان اپنے ماحول میں مہذّب، خوشگوار، پاکیزہ، باوقار اور بے ضرر زندگی بسر کر سکے ؂

پیغمبرِ اسلام نے اپنے قول و فعل اور زندہ جاوید تعلیمات سے اس سلسلہ میں انسانیت کی پوری رہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ فاضل مصنّف نے اس شمع کی روشنی میں اپنی اس قابلِ قدر تصنیف میں ۲۴ عنوانات کے تحت اس موضوع پر قلم اُٹھا کر ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اندازِ بیان شگفتہ اور دل نشین۔ اسوۂ حسنۂ رسُول کے مطابق صحیح سیرتِ اسلامی پیدا کرنے والی یہ کتاب ہر گھر میں موجود ہونی چاہیئے ؂

ملنے کا پتہ

مکتبۂ ادب نواز۔ کشمیری بازار۔ لاہور (پاکستان)